امامیہ مشن لکھنؤ کا پہلا تبلیغی رسالہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس کمپنی ۱۲ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۲ / اپریل ۱۹۳۳ء خرچہ ڈاک ۱ /

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جب تک کہ ہر فرد قوم تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیر المومنین کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرمادیں وہ ان کی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ ان کو نصف قیمت پر دے جائینگے۔

فارم ممبری ہم سے طلب فرمائیے اور خود بھی ممبر بنئیے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عنداللہ و عندالرسولؐ ماجور ہوجیئے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن
حسین آباد۔ لکھنؤ

تیسرا ایڈیشن

مصنفہ

عالیجناب سید العلما مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ مشن لکھنؤ کی پہلی دینی خدمت

کا تیسرا دور

پروردگار عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے بحق محمدؐ و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین ہماری اس دینی خدمت کو قبول فرما لیا اور اس رسالہ کی ایک ہزار جلدیں جو پہلی مرتبہ شایع کی گئی تھیں ایک ماہ کے اندر ختم ہو گئیں اور پھر دوسرا ایڈیشن بھی چند مہینہ کی مدت میں ختم ہوا اور اب ہم بحمد اللہ اسکا تیسرا ایڈیشن قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اِس مرتبہ جناب مصنف علامہ مدظلہ العالی نے چند مطالب کا اضافہ نیز بعض غلط فہمیوں کا مزید ازالہ فرمایا ہے جس سے مخالفین کی اُس حرکت مذبوحی کا بھی قلع قمع کر دیا گیا ہے جو دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد عمل میں لائی گئی تھی۔ ہمکو قوی اُمید ہے کہ ہمدردانِ قوم اس ایڈیشن کو بھی زائد سے زائد تعداد میں خرید فرما کر غیر شیعہ حضرات میں مفت تقسیم فرمادینگے اور عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کا سبب ہونگے

اس مرتبہ ہم پھر عامۂ اہل اسلام کو توجہ دلاتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اہم موضوع کا پورے سکون و اطمینان کے ساتھ غور کر کے صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش فرماوینگے۔

خادم ملت
سید ابن حسین عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ
ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولہ الحمد والصلوٰۃ علی نبیہ و آلہ

تمہید: کہنے کو قاتلان حسینؑ مسلمان تھے اور اسی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اُنکی نظر میں ایک خودساختہ گھروندا اور دین و ایمان زاہد فریب بیکار کا ڈھکوسلا تھا، وہ دنیاوی جاہ و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کے آگے کسی دوسرے عالم اور اس عالم کی جزا و سزا کا اقرار کرنا تو درکنار اسکا خیال بھی ذہن مین نہ لاتے تھے۔ لامذہبی اُنکا حقیقی مذہب اور بے دینی اُن کا دین و آئین تھی جسکے مظاہرات بھی حسب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور انہی مظاہرات کو تاریخ نے امانتداری کے ساتھ ہم تک پہونچا کر ہم کو اُنکے باطنی نیتون پر حکم لگانیکا موقع دیدیا ہے قتل حسینؑ کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و الحاد اور لامذہبی میراث مین پائی تھی اور اس کا اثر تھا جو جاہلیت و اسلام مین برابر ظاہر ہوتا رہا۔

ابوسفیان جسکے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی و وسطی دور مین سخت مصائب اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور بدر و احد و احزاب صرف اُسی کی عداوت

اسلام کے کرشمے تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلام کے قدرتی جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر سر تسلیم خم کر چکا تھا لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ہو کر اسکے دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اس کو چھپائے رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا یہانتک کہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا؛ و معرکہ کارزار گرم تھا اسوقت ابوسفیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا۔

"ایہ بنی الاصفر" یعنی شاباش اے ملک روم کے بہادرو اور جب مسلمانوں کو در التقویت ہوتی تھی تو ابوسفیان کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا

وبنو الاصفر الملوک ملوک الروم لم یبق منھم مذکور

ہائے افسوس کہ سلطنت روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے

عبداللہ بن زبیر نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے باپ زبیر سے بیان کیا اسوقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ یابی الا نفاقا اولسنا خیرا لہ من بنی الاصفر خدا اس کو سمجھے یہ نفاق سے باز نہ آئے گا کیا ہم اسکے لیے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں

(دیکھو استیعاب ابن عبدالبر)

اور جب مسلمانوں کی خلافت تیسرے دور میں بنی امیہ تک پہونچی اور حضرت عثمان

خلیفہ بنائے گئے اسوقت ابوسفیان بیحد عمر کے انتہائی دور میں تھے اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سنکر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ مدت کے بعد اب خلافت تم تک پہونچی ہے۔ اس کو تم گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور بنی امیہ کے ذریعے اسکی بنیادوں کو مضبوط کر و اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت رہ گیا جنت و دوزخ اُس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں، یہ واقعہ بھی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب میں جو مصر کے بعد خاص طور پر حیدرآباد میں طبع کی گئی ہے موجود ہے ان دونوں تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھلجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر و الحاد کے کیسے جراثیم پرورش پا رہے تھے

اسی ابوسفیان کے خلیفہ و جانشین حضرت معاویہ تھے جن کے متعلق زبان کھولنے کے لئے بہت بڑی جرأت کی ضرورت ہے اسلئے کہ عام مسلمانوں نے انھیں بڑھا چڑھا کر بڑے مرتبوں پر پہونچا دیا ہے لیکن مورخین اہل سنت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں لیا ہے بلکہ حقائق کو اصلی صورت میں پیش کر دیا ہے اگرچہ وہ خود انہی میں سے کسی کے مسلمہ عقیدہ کو ملیامیٹ کر دیں، معاویہ کی نظر میں مذہب کی قیمت جتنی تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حتات مجاشعی اور جاریہ بن قدامہ اور احنف یہ تینوں شخص امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے معاویہ نے جاریہ و احنف کو حتات سے زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حتات نے آکر شکایت کی کہ آپ نے فلاں دو شخصوں کو

میرے اوپر ترجیح دی اور انکا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا، معاویہ نے جواب دیا کہ ان سے مین نے انکا دین ومذہب مول لے لیا ہے، عقات نے کہا پھر مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجئے (ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اول صفحہ ۴۰۰ و اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ا ص ۳۷۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزری نے کامل التواریخ مین لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے بصرہ سے دس آدمیون کو ۳۰ ہزار درہم رشوت کے ساتھ یزید کی ولیعہدی پر راضی کرکے اپنے بیٹے موسی بن مغیرہ کی معیت مین معاویہ کے پاس بھیجا اور ان لوگون نے معاویہ کے سامنے یزید کی جانشینی پر اظہار مسرت کیا، اس وقت معاویہ نے آہستہ سے موسی بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتا کتنے کو تیرے باپ نے ان لوگون سے انکے دین و ایمان کو خریدا ہے، موسٰی نے کہا کہ تیس ہزار درہم کو۔

ان دونون واقعون سے صاف ظاہر ہے کہ دین ومذہب کی ان نظرون مین کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرفیون یا صرف ظاہری آؤبھگت پر لوگون سے انکے دین و آئین کو خرید کر لامذہبیت کو رواج دیا جارہا تھا،

اسلام کا مشہور ومعروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ مین سنہ ۶۰ھ کے واقعات لکھتے ہوئے رقمطراز ہے کہ عمر عاص اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دار الخلافہ شام باریابی کے لئے آیا۔

(یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو عاص معاویہ سے کسی حد تک برسر پرخاش تھا) اس نے

ان لوگون کو سکھلا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار مین جانا تو اُسے خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا اور جہانتک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اسکی وجہ سے تمھاری ہیبت اُسکے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگون کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی ذہانت سے عمر عاص کی سازش کو تاڑ گئے اور دربانون سے کہا کہ میری سمجھ مین یہ آتا ہے کہ نابغہ کے لڑکے (عمر عاص) نے ان لوگون کی نظر مین میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا لہذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئین تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا یہانتک کہ ہر شخص کو ان مین سے یقین ہوجائے کہ اُسکی جان کی خیر نہین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار مین حاضر ہوا وہ یون آداب بجالایا کہ السلام علیك یا رسول اللّٰہ بس پھر کیا تھا سب نے اُسی کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہکر سلام کیا (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۴ مصر) ۵ع

ع۵ اس روایت کے تتمہ مین حسب ذیل عبارت بھی موجود ہے قال ولبس معاویۃ یوماً عمامتہ الحرقانیۃ واکتحل وکان من اجمل الناس اذا فعل ذلك شك عبد اللّٰہ فیہ سمعہ او لم یسمعہ" معاویہ نے ایک روز اپنا عمامہ حرقانیہ پہنا اور سرمہ لگایا اور وہ جب ایسا کردیتے تھے تو اُنکے حسن وجمال کی انتہا نہ رہتی تھی عبد اللہ کو اس مین شک ہے کہ اس کو سنا تھا یا نہین۔

ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہ سکتی
اسلامی دربار میں خلیفۂ وقت کو رسول اللہ کہکر سلام لیا جائے اور ان لوگوں کو سزا تو
درکنار معمولی سی تنبیہ بھی نہ کی جائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی
مقصد واضح ہوجاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دو، دمشق کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک شخص کا
بھی اس واقعہ پر چین بجبین ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اسوقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فنا ہو چکے تھے۔

رسالتمآب کی عظمت عوام کی نظروں میں خلیفۃ المسلمین سے زیادہ بھی جب کہ

(بقیہ مضمون صفحۂ سابق) وہ لوگ جو حضرت معاویہ کے ہر طرز عمل کی حمایت کرنا
اور انکی ہر بات کو بنانا اجراہ وہ کتنی ہی غیر قابل تاویل ہو اپنا فریضۂ منصبی سمجھتے
ہیں انھیں کوئی تعجب نہیں ہو کہ اس عبارت کے آخری فقرہ کے اندر ڈوبتے میں
تنکے کا سہارا مل جائے اور فوراً شك عبد الله فيه سمعه او لم يسمعه کے معنی
یہ کہدیں کہ "اس روایت کا راوی عبداللہ شک کرتا ہو کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ
کو سنا یا نہیں سنا"

لیکن افسوس ہو کہ روایت پر شروع سے آخر تک ایک سرسری چلتی ہوئی نظر بھی ڈالی
جائے اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر دیتی ہو۔ حدثنی عبد الله بن احمد قال

اس واقعہ سے ظاہر ہے جسکو ابوحاتم سہل بن عثمان سجستانی بصری متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب معمرین میں جو مصر کے مطبع سعادت میں ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی ہے درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جسکی عمر بہت زیادہ طولانی ہو اور وہ اس سے زمانۂ قدیم کے حالات دریافت کریں لوگون نے حضرموت کے ایک شخص کا پتہ دیا جس کا نام امد بن ابد تھا اور اسکی عمر تین سو سا ٹھ برس کی ہو چکی تھی۔ اثنائے گفتگو مین معاویہ نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاشم کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا ہان مین نے انکی زیارت کی ہے بہت شاندار بلند بالا خوبصورت شخص تھے پوچھا کہ امیہ کو بھی دیکھا ہے؟ کہا کہ ہان ایک پست قامت اندھا آدمی تھا جسکے

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) حدثنی ابی قال حدثنی سلیمان قال قرأت علی عبد اللہ عن فلیح قال اخبرت۔

اس سلسلے سے صاف ظاہر ہے کہ عبد اللہ ابتدائی راوی ہے یا وسطی بلحاظ سند کے بیچ مین واقع ہوتا ہے اور وہ موقع واردات پر موجود نہ تھا اور واقعہ اسکا چشمدید نہین تھا بلکہ اس تک واقعہ کی خبر دو راویون کے واسطے سے پہونچی ہے لیکن صورت حال کی بنا پر یہ شک کرنا کہ حضرت معاویہ نے سنا تھا یا نہین اس راوی کا حق ہے جو واقعہ کا دیکھنے والا اور موقع پر موجود تھا وہ اگر اس شک کا اظہار کرتا کہ حضرت معاویہ نے سنا یا نہین تو واقعہ مین شاید کچھ ابہام پیدا بھی ہو جاتا لیکن اس نے تو بہت صفائی کے ساتھ اصلی واقعہ کو

چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی۔ معاویہ نے کہا کہ تو نے محمد کو بھی دیکھا ہے؟ اس نے ان معمولی لفظوں مین ایک مسلمان سے حضرت کا نام سنکر متعجبانہ انداز سے پوچھا محمد کون؟ کہا وہی رسول خدا۔ یہ سنکر اس نے کہا کہ "وائے ہو تم پر تم نے پہلے ہی انکا اس طرح احترام کے ساتھ نام کیون نہ لیا جس کا خدا نے انھین مستحق بنایا ہے؟ یون کیون نہ کہا کہ تو نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزری کی اسد الغابہ (ج ا صفحہ ۱۱۵) مین بھی موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرمناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو زبیر بن بکار نے موفقیات مین درج کیا ہی یہ زبیر محدثین اہل سنت مین بلند پایہ شخص اور صحاح ستہ کے

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) نقل کیا ہی جس مین کسی شک و شبہہ کا اظہار نہین ہے اب کسی طبقون کے بعد کا جو راوی ہی وہ یہ کہے کہ مجھ کو شک ہے حضرت معاویہ نے سنا تھا یا نہین تو کہان تک قابل قبول ہوسکتا ہی۔

درحقیقت شك فیہ سمعہ او لم یسمعہ کے یہ معنی قرار دینا بالکل اصول تکلم اور آئین گفتگو کے خلاف اور سراسر غلط ہی بلکہ واقعہ یہ ہی کہ گذشتہ روایت کے ختم ہونے کے بعد جو مسلم حیثیت رکھتی تھی قال کے مستقل عنوان سے راوی نے کچھ اور باتین حضرت معاویہ کی نقل کی ہین اور وہ یہ کہ حضرت معاویہ نے ایک دن اپنا عمامہ خرقانیہ باندھا اور یہ کہ جب وہ ایسا کرتے تھے تو انتہائی حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس ٹکڑے سے متعلق

رواۃ مین سے ہی وہ لکھتا ہے کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ ناقل ہے کہ مین اپنے باپ
مغیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت مین باریاب ہونے کے لیئے گیا مغیرہ
شاہی مہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار مین جاتے اور جب واپس ہوتے تو معاویہ
کے عقل وفراست اور تدبر و دور اندیشی کی تعریفین کرتے تھے ایک مرتبہ رات
کو جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور محزون و مغموم سر جھکا کر بیٹھ گئے مین نے
کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود بولین مگر انھون نے کچھ نہ کہا تو مین نے خود دریافت کیا کہ آج
آپ کے مغموم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کہا بیٹا کیا تبلاؤن مین ایک ایسے شخص کے پاس
سے آرہا ہون جو کفر و خباثت مین دنیا بھر سے زیادہ ہی۔ مین نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) راوی عبداللہ کو شک ہے کہ یہ بھی اُنھون نے (یعنی عبداللہ نے)
اپنے سے واقعہ کے بیان کرنیوالے راوی (اپنے باپ یا فلیح) کی زبانی سنا تھا یا نہیں اصل
روایت سے کوئی تعلق نہین ہی۔ اگر ایسا بھی ہو کہ یہ فقرہ راوی کا اصل واقعہ سے لگا ہوا
ہے تو بھی وہ حقیقۃً راوی کے حسن ظن اور خوش عقیدگی کا نتیجہ ہی کہ وہ کبھی حضرت معاویہ
کی نسبت یقینی طور پر اس امر کو باور نہین کرنا چاہتا کہ اُنھون نے ایسا سنا ہو اور سکوت کیا
ہو اسلیے وہ اس امر کو مشتبہ قرار دیدیتا ہی کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ کو سنا ہی۔
اس سے معلوم ہوتا ہی کہ راوی حقیقۃً اہل سنت وجماعت مین سے اور امیر معاویہ
کے ساتھ کامل عقیدت مندی رکھتا تھا۔ اگر اصل واقعہ مین کسی قسم کی کمزوری پائی جاتی تو

کہا کہ آج تنہائی میں میں نے کہا کہ اے امیر المومنین اب آپکی کافی عمر ہو چکی ہے بہتر ہے کہ آپ عدل و احسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ اب آپ اپنے رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجئے اور اُن کے ساتھ صلہ رحم فرمایئے کیونکہ اب اُنکے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو کچھ اندیشہ ہو اس طرح آپکا ذکر جمیل اور اجر و ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہ جائیگا۔

یہ سنکر معاویہ بپھر پڑے کہا کہ ہیہات ہیہات مجھ کو کس ذکر جمیل کی امید ہو سکتی ہے کہ جو باقی رہے، قبیلہ تیم کے خلیفہ (ابو بکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے کام کئے اور کس طرح عدالت کی بھر کیا ہوا سوائے اسکے کہ جب وقت آئی تو انکا نام بھی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) وہ یقیناً اُسی کا انکار کر دیتا اور خود بیان نہ کرتا لیکن چونکہ اصل امر ناقابل انکار تھا اسلئے اُس نے اُسکی تاویل میں اپنی خوش عقیدگی کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ امر طے شدہ ہے کہ راوی کے اقوال بحیثیت راوی اُسی حد تک معتبر ہیں کہ جہانتک وہ بیان واقعہ سے تعلق رکھتے ہوں نہ اُسکے ذاتی خیالات۔

واقعہ ایک ایسے عقیدت مند راوی کا بیان کردہ سامنے موجود ہے اس سے نتیجہ نکالنا ہر بابصیرت انسان کا خود کام ہے اگر درایت کوئی چیز ہے اور واقعات کے ساتھ قرائن کا انضمام کچھ بتلایا کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ راوی کا یہ شک کہ امیر معاویہ نے سنا بھی تھا یا نہیں بالکل بے موقع اور ناقابل اعتبار ہے صبر و سکون کے ساتھ روایت کا

مردہ ہوگیا اور سوائے اسکے کہ لوگ ابن حضرت ابوبکر" اور کوئی اثر نہ چھوڑا پھر قبیلہ
عدی کے خلیفہ "عمر" نے سلطنت کی اور دس برس کی عرق ریزی اور جانفشانی سے
کار ہائے نمایان انجام دیئے اونکا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ ہوگئے اور ان کا نام بھی
مردہ ہوگیا سوا اسکے کہ لوگ کہدیں حضرت عمر لیکن یہ ابن ابی کبشہ (یہ وہ نام ہے جس سے
کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے) روزانہ پانچ دفعہ اذان میں اس کا
نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اشہد ان محمد رسول اللہ پھر اب مجھکو لپٹ کس
کارنمایان کے بقار کی امید ہو اور کون سا نام میرا باقی رہ سکتا ہے ہ کچھ نہیں بھی یہی آخر کہ
انجام زمین میں دفن ہونا ہے اورپس (نصائح کافیہ محمد بن عقیل حضرمی ص ۹۳)

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) ایک نظر پھر مطالعہ کرو اور اسکے بعد فیصلہ کرو مصری جماعت کے ورود
کے موقع پر عمرو عاص اسکی کوشش کرتا ہے کہ یہ لوگ معاویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کریں حضرت معاویہ
کو بھی اس سازش کا اپنی ذاتی فراست کی بنا پر یا کسی اور ذریعہ سے پتہ چلجاتا ہے۔ چنانچہ
وہ پیش بندی اسکے علیہ پر انتظامات کرتے ہین کہ مصری جماعت کے ساتھ انتہائی سختی کی جائے
جس کے رعب مین آکر وہ عمرو عاص کی سازش پر عمل نہ کرسکین۔ اس صورت حال کا فطری
لازمہ یہ ہو کہ جب وہ لوگ معاویہ کے سامنے آئین تو حضرت معاویہ کی تمام تر توجہ اس کی طرف
مبذول ہو کہ دیکھون یہ لوگ کیا کرتے ہین ہ اسکے بعد وہ لوگ دربار مین وارد ہوتے ہین
اور سلام کرتے ہین ظاہر ہے کہ سلام کسی شخص کو میل دو میل سے نہین کیا جاتا بلکہ قریب سے ہوتا ہے

اسی دادا کا پوتا اور اسی باپ کا بیٹا یزید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور باپ
کی حسن سیاست نے مسلمانون کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اُس کے اقوال و افعال
سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے افعال کا یہ عالم کہ واقدی نے عبداللہ
بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہمکو یزید کی حکومت میں یہ
خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائینگے وہ ایسا شخص تھا جو
اپنی ماں بیٹیوں بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز
کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص۱۲۵ طبع مصر)

اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُسکی زبان ان اشعار کے ساتھ مترنم تھی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) اور پھر یہ لوگ ایک دو نہیں تھے بلکہ کافی جماعت تھی جو یکے بعد دیگرے
آپکی خدمت میں آرہے تھے اور جو آتا تھا وہ بھی کہتا تھا کہ السلام علیک یا رسول اللہ
اسکے بعد یہ شبہہ ظاہر کرنا کہ حضرت معاویہ نے سنا یا نہیں اُسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے
جب تاریخ کے ورق حضرت معاویہ کے لیئے (خدانخواستہ) ثقل سامعہ کا پتہ دیدیں لیکن اُدھر سے
ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

رہ گئی رجال سند کی بحث تو یہ ظاہر ہو کہ تاریخی واقعات میں مستند مورخین کے اعتماد
اور نقل ہی پر بنیاد قرار پاتی ہو اور اس روایت سے احتجاج کے لئے طبری ایسے امام حافظ ثقہ
متقن کا نقل و اعتماد کافی ہے جو شیعہ بھی نہ تھے کہ اُنکی نسبت امیر معاویہ سے خواہ مخواہ کی

لیت اشیاخی ببدر شھدوا   جزع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے جنگ بدر والے بزرگ موجود ہوتے اور وہ مشاہدہ کرتے فریق مقابل کی گھبراہٹ کا نیزون کے مقابلہ مین

لعبت ہاشم بالملک ولا   خبر جاء ولا وحی نزل

یہ تو بنی ہاشم کو سلطنت کا ایک کھیل تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی نہ ... سے کوئی وحی اتری تھی۔

لست من خندف ان لم انتقم   من بنی احمد ما کان فعل

مین اپنے بزرگون کی نسل سے نہین اگر محمد کی اولاد سے ان کے کیے کا بدلا نہ لون

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) عداوت کا الزام عائد ہوسکے بیشک تاریخ طبری مین اسکے قبل و بعد امیر معاویہ کی تعریف اور انکے ورع و تقویٰ کی حکایتین بھی موجود ہین لیکن یہ کون نہین جانتا کہ کسی خاص عقیدہ والے کی تحریر اس عقیدہ کے خلاف جتنی مستند ہوسکتی ہے اُسکے موافق نہین ہوسکتی۔ طبری جتنی بھی جلالت قدر اور عظمت رکھتے ہون وہ اپنے فرقہ مین ہے اور اسی حیثیت سے ہم بھی اُنکو مشہور و معروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن کی لفظون سے یاد کیا ہے لیکن بہرحال وہ سُنی تھے اور اس لئے امیر معاویہ کی مدح مین اُنکے روایات کا پیش کرنا ویسا ہی ہے کہ جیسا اُنکی مذمت مین شیعی روایات، یہ صرف مسلک مناظرہ ہی کے خلاف نہین ہے کہ جس سے مجھ کو تعلق نہین بلکہ مسلک تحقیق کے بھی خلاف ہے جو میرا نصب العین ہے۔

فجزیناهم ببدر مثلها وباحد یوم احد فاعتدل

جو جنگ بدر واحد مین ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اُس کا ہم نے پورا پورا بدلا لے لیا۔

لو رأوہ لاستہلوا فرحا ثم قالوا یا یزید لا تشل

اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھلجاتے اور کہتے کہ اے یزید کبھی تیرے ہاتھ شل نہون۔

یہ وہ اشعار تھے جو نشہ شراب ونشہ فتح ونصرت دوہری مستی کے عالم مین یزید کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے ظاہر کر رہا تھا اور علامہ سبط ابن جوزی نے انہی اشعار کی بناء پر صریحی طور سے اُسکے کفر کا فتوی دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یزید کے دل مین زمانۂ جاہلیت کی عداوت اور بدر واحد کے انتقام کا جوش نہوتا تو کم از کم وہ سر حسینؑ کے ساتھ بے احترامی

(بقیہ مضمون صفحہ سابق) ایک واقعہ کے ثبوت مین مخالف فریق کے موافق بیانات جتنے مفید ہو سکتے ہین موافق فریق کے موافق بیانات نہین اور اسلئے ہم کو طبری کے ان روایات پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہین جن مین امیر معاویہ کی مدح مین رطب اللسانی کی گئی ہو ۱۲

مولف

۲۱ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ

ندیتا اور اسکے دفن وکفن کا حکم دیتا، ور نہ ان اہلبیت کے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسکے دل میں کفر وجاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اسکو اہلبیت رسولؐ کے ساتھ کسی ہمدردی پر آمادہ ہونے دیتے تھے محمد بن جریر طبری کہ جنھیں یزید کے ساتھ کافی خلوص ہے اور تاریخی مسلمات کے حذف اہلبیت رسالت کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کی حکایتیں نقل کرنے میں مخصوص لذت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو مدینہ جانیکی اجازت دی ہے اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کی زبانی یزید کی مدح میں جو فقرہ نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

ما رأیت رجلا کافرا باللہ خیرا من یزید بن معاویۃ "میں نے کوئی کافر شخص کہ جو خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو یزید بن معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا" طبری ج ۶ صہ ۲۶۷ اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جا سکتا ہے وہ دوسرا مرجانہ عبیداللہ بن زیاد ہے جو یزید کے ساتھ یکجان ودو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اسکے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں اظہار خیال کیا ہے۔

اسقنی شربۃ تروّی مشاشی ثم مِل فاسق مثلہا ابن زیاد

ہاں اے ساقی مہوش مجھ کو ایک ایسا ساغر پلا دے جو میرے جسم کے ہر جوڑ بند کو سیراب کر دے پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

صاحب الود والامانة والتسديد منی ومغنمی وجہادی

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایہ زندگی اور جنگ میں میرا ہمدست ہے۔

اس شخص کا کفر و الحاد اور احکام خدا و رسول سے روگردانی طشت ازبام تھی اور کوفہ کے عام افراد بھی اس سے خوب واقف تھے چنانچہ اس موقع پر جب حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فروکش تھے اور شریک بن اعور کی عیادت کے لئے ابن زیاد کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلم سے کہا کہ یہی موقع ہے اس کو قتل کر ڈالئے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا مسلم نے کوئی اقدام اُسکے قتل پر نہ کیا۔ شریک نے اس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلم نے کہا خصلتان اما احدھما فکراھۃ ھانی ان یقتل فی دارہ واما الاخریٰ فحدیث حدثہ الناس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان الایمان قید الفتک ولا یفتک مومن اسکے دو سبب تھے پہلے تو یہ کہ ہانی کو یہ امر ناپسند تھا کہ ابن زیاد اُنکے گھر میں قتل کیا جائے دوسرے یہ کہ جناب رسالت مآب کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کرنے والا ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ سنکر ہانی نے کہا۔

اما واللہ لو قتلتہ لقتلت فاسقاً فاجراً کافراً غادراً ولکن کرھت

ان یقتل فی داری۔

خدا کی قسم آپ یقین جانئے کہ اگر آپ اس کو قتل کرڈالئے تو کسی مسلمان کا قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق فاجر کافر غدار کا قتل ہوتا بیشک مجھ کو یہ ناپسند تھا کہ وہ میرے گھر مین قتل ہو۔ (طبری ج ۶ ص ۲۰۱)

تیسرا شخص جو قتل حسین کا براہ راست ذمہ دار کہا جا سکتا ہے وہ عمر بن سعد تھا۔ اسکے اسلام کی حقیقت ان اشعار سے ظاہر ہے جو اس نے اس موقع پر نظم کئے تھے کہ جب ابن زیاد نے اس کو قتل امام حسین پر مامور کیا ہے۔

فواللہ لا ادری وانی لحائر افکر فی امری علی خطرین

خدا کی قسم میری کچھ سمجھ مین نہین آتا اور مین حیران ہون، مین اپنی نسبت دو عظیم باتون مین فکر کر رہا ہون۔

اأترک ملک الری والری منیتی ام اصبح ماثوما بقتل حسین

کیا مین ملک رے کو ہاتھ سے جانے دون حالانکہ ملک رے کی مجھ کو مدت سے آرزو ہے یا مین حسین کو قتل کرکے ہمیشہ کے لئے گنہگار بنون۔

الا انما الدنیا بخیر معجل وما عاقل باع الوجود بدین

یاد رہے کہ دنیا نقد وحاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے عوض بیچ ڈالے۔

یقولون ان اللہ خالق جنۃ ونار وتعذیب وغل یدین

لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں ۔

فان صدقوا فیما یقولوا انتہی اتوب الی الرحمٰن من سنتین

اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی دو برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کر لوں گا۔

وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمۃ وملک عقیم دائم العجلین

اور اگر غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہے ہم تو ہم ایک عظیم دنیا اور ایسے ملک کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جسکی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں۔

ان اشعار میں صریحی طور پر عقیدہ معاد اور جنت و دوزخ کے وجود کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

جب حکام و رؤسا کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا وہ تو انہی لوگوں کے اشارہ پر چلنے والے اور انکے آلہ کار تھے۔ انکا مذہب سنہرے اور روپہلے سکوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بدنما داغ لگانا ہے اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے یہ تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں اور اسکے بعد اس سوال کا

موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سنی تھے یا شیعہ۔ اس لیے کہ سنی شیعہ کا افتراق تو پھر
اسلامی مشترکہ اصولی عقائد کو تسلیم کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ تو جب خود اسلام ہی
دامن کش نظر آتا ہو تو سنی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے لیکن افسوس ہے کہ دور
اور ادھر چند دنوں سے خواہ مخواہ اختلاف پیدا کرتے ہیں ان کی کوشش ہر وقت یہی ہے اور جا بجا
کی بات پیدا کر کے اسلامی جماعتوں میں تصادم پیدا کرتے ہیں تو وہ بھی خیال کر
بہت اہمیت دیتے ہیں کہ قاتلان امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے اور یہ دعویٰ بڑے
زور و شور سے ان جلسوں میں پیش کیا جاتا ہے حالانکہ تاریخی نصوص و شواہد
اس دعوے کو بالکل بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں لہذا ایک تاریخی
فرض کی حیثیت سے ہم نے قصد کر لیا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں عام اسلامی
مستند کتب سے تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ قلمبند کریں جس سے یہ [illegible]
نقل اور [illegible] ہو جائے اور پھر کسی کو بھی اس کی جرأت نہ ہو کہ قاتلان حسینؑ کو
شیعہ کہا جائے

قاتلان حسینؑ کے مذہب پر اجمالی نظر

گذشتہ سلسلہ کلام میں جو کچھ حوالہ قلم ہوا وہ اس ننگ انسانیت جماعت کے
باطنی عقائد کی بنا پر تھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے ہو کے صاف واضح
کر دیا ہے کہ اس جماعت کے دلوں میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ انکا مذہب

عین لامذہبی کی تصویر تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہری حیثیت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے اور انکی لامذہبی جس درجہ پر بھی ہو مگر ان پر اسی درجہ کی مذہب کا ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کے لئے

دو تنقیحیں قائم ہونا ضروری ہیں۔

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اسکی جگہ کس فرقہ کے اصول و تعلیمات میں نکالی جا سکتی ہے؟

ان دونوں تنقیحوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائیگا کہ اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتل امام حسینؑ کی بنیاد امیر معاویہ کے بعد یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرانے کے لئے حسینؑ بن علیؑ سے بیعت پر اصرار اور حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر آخر وقت تک ہزار ہزار مصیبتیں سامنے آنے پر بھی قائم رہنا ہے۔

یہی چیز وہ تھی جس نے دنیا کی اس طویل و عریض وسعت کو فرزند رسولؐ پر تنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اس بیگناہ کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔

وہی وقت جب امیر معاویہ بقول ابن حجر مکی (۱) یزید کی محبت مین اندھے ہو کر مسلمانون سے اپنے ہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اسکی ولیعہدی کو تسلیم کرانے کے لئے شام و عراق کے خزانے اور حیلہ گری و سیاست کے تمام ہتکھنڈے صرف ہو رہے تھے اور عالم اسلام کا ہر جز و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اس موقع پر پانچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبیر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے جن مین سب سے پہلا نام حسین ؑ بن علی ؑ کا ہے اور آپکی دیکھا دیکھی عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت مین سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسین ؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ آکر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسین ؑ بن علی ؑ کو بلوا کر کہا کہ اس معاملہ مین تمام لوگ ہموار ہو چکے ہین سوائے پانچ آدمیون کے قریش مین سے جن کی سرکردگی تم کر رہے ہو ۔ حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا "انا اقودھم" مین انکی سرکردگی کرتا ہون ؟ " معاویہ نے زیادہ دلیری کے ساتھ کہا نعم انت تقودھم بیشک آپ ہی انکے سرگروہ ہین ۔ یہ سنکر حضرت نے فرمایا تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگون کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے اگر

(۱) تطہیر الجنان حاشیہ صواعق طبع مصر صفحہ ۵

اُن سب نے بیعت کرلی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہین یزید نے اتفاق
کامیاب ہوئی اور نتیجہ مین امیر معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی اس لئے کہ
آخر تک سوائے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کمزور دل اور عقیدہ کے شخص تھے ان
اشخاص مین سے کسی نے بیعت کی ہامی نہین بھری (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۱)

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے اور ۷۵ و ۸۰ کے درمیانی
عمر مین رجب ۶۰ھ مین رحلت کر گئے یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام
اہل شام نے بیعت کی، دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ یزید کے سامنے موجود تھی
اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے
تمام ذرائع و اسباب پوری فراوانی کے ساتھ مہیا لیکن ایک خیال تھا جو اس کے
دل و دماغ کو پریشان کئے ہوئے اُس کی نظروں مین اس تمام جاہ و حشم
کو خاک سیاہ بنائے ہوئے تھا اور وہ اُن چند آدمیون کا بیعت سے انکار کرنا تھا
اول درجہ کی شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی تھی، اُس نے تخت سلطنت پر قدم
رکھتے ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ یہی کہ اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ
بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد اس زمانہ مین مدینہ کا حاکم
تھا خط لکھا۔

(من یزید امیر المومنین الی الولید بن عتبۃ، اما بعد فان
معاویۃ کان عبداً من عباد اللہ اکرمہ اللہ و استخلفہ وخولہ

ومثلی لہ فعاش بقدر، ومات باجل فرحمہ اللہ فقد عاش محمودا ومات برا تقیا والسلام)

خط کا مضمون ختم ہو گیا اور اس میں سوائے معاویہ کے انتقال کی خبر کے کچھ نہیں ہے لیکن اسکے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا

(اما بعد فخذ حسینا وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذا شدیدا لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسلام)

"دیکھو حسینؑ اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو بیعت پر بہت سختی سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں دم نہ لینا۔"

ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سہی لیکن کمزور دل کا شخص تھا اور حسینؑ کی عظمت وشخصیت کا اثر ایک حد تک اس پر قائم تھا، اس میں اتنی ہمت کی اور ستم کیشی بھی نہ تھی کہ ایک بیگناہ کا خون بہاتے ہوئے اسکو لذت محسوس ہو یزید کے فرمان شاہی نے اس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم تلاطم پیدا کر دیا اور وہ اسی شش وپنج میں تھا کہ یزید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔

بیشک ننگ اسلام یعنی ساتواں خلیفۂ مسلمین مروان بن حکم جو ابتدا ہی میں رسول اللہ کی بارگاہ سے "ملعون بن ملعون" کا لقب پا چکا تھا (۱) اس نے یہی مشورہ دیا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو انکا سر قلم کرکے

(۱) حیوۃ الحیوان دمیری ج ۱ صفحہ ۵۵ بحوالہ مستدرک حاکم۔

یزید کے پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح پسندی کے باعث اُسکا مشورہ قبول کرنے سے مجبور رہا لیکن حسینؑ بن علیؑ کو بلا کر یزید کا پیغام پہونچا دینے مین اُس نے کوتاہی نہین کی اور اگر حسینؑ عاقبت اندیشی کر کے غیر معلوم طریقہ پر مدینہ رسول کو خالی نہ کر دیتے تو ولید بھی عمر سعد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مال وجاہ دنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف مین اقدام کرتا اور یا کوفہ کے نعمان بن بشیر کی طرح اُسکو معزول کر کے مروان بن الحکم یا اُسکے ایسے کسی سفاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسولؐ کے خون سے مدینۂ رسولؐ کی زمین کو گلرنگ بنایا جاتا (مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۸۸ - ۱۹۰)

فرزند رسولؐ مکہ معظمہ پہونچے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلم کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا۔ کوفہ کی خلقت یزید کے افعال و کردار سے واقفیت رکھنے کے باعث اُسکی خلافت سے بیزار تھی اس لئے مسلم کا خوشگوار طریقہ پر استقبال کیا نعمان بن بشیر انصاری جو اسوقت کوفہ کا حاکم تھا وہ صلح پسند بے شر آدمی تھا اور اس نے مسلم سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مخبرین نے خلیفۂ وقت یزید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ مین آئے ہین اور یہان کے لوگون نے حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے نعمان بن بشیر فطرۃً کمزور شخص ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے اگر آپ کو کوفہ کی حفاظت کرنا ہے تو ایک مضبوط آدمی

یہاں مقرر کیجئے جو آپ کے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

یزید نے سرجون معاویہ کے راز دار غلام کو بلا کر مشورہ کیا اُس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو انھوں نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کوفہ کی حکومت کے بارے میں لکھا تھا، یزید بوڑھے باپ کی اس پر موقع پیش بندی کو دیکھ کر اچھل پڑا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیل کوفہ مین آکر وہان کے لوگون کو مجھ سے منحرف کر رہے ہین اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کوفہ کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلم پر قابو پاؤ۔ اور

(دیکھو۔ الطبری ج ۶ صفحہ ۱۹۹ ۔ ۲۰۰)

گوناگون واقعات کے بعد فرزند رسولؐ دوسری محرم سنہ ۶۱ھ کو اپنی آخری منزل پر پہونچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر کربلا آیا اور جگر گوشۂ رسول کا خون آشام دشمنون نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی و انتہائی واقعات کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب مین ہر قدم پر اس کا ضمیر سختی کے ساتھ ٹوک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظلم کیا کر رہا ہے؟ جسکو سنکر وہ ایک مرتبہ ٹھٹک جاتا تھا لیکن طمع دنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اس کا قدم آگے بڑھا دیتی تھی، وہ ایسے مواقع ڈھونڈھتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مقصد کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے اسی بنا پر کربلا پہونچنے کے بعد اس نے امام حسین علیہ السّلام سے سلسلۂ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد کو

لکھا کہ میں نے حسینؑ سے بات چیت کر کے ان کا منشا معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو اہل کوفہ نے دعوت دی تھی اس لئے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی بات پر قائم نہیں ہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔

اس خط کا جو جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہے۔

(اما بعد فقد بلغنی کتابک وفهمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یبایع لیزید بن معاویة هو وجمیع اصحابه فاذا فعل ذلک رأینا رأینا والسلام)

یعنی خط پہونچا اور حال معلوم ہوا تم حسینؑ سے یہ درخواست کرو کہ وہ اپنے تمام اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں اسکے بعد ہم صورت حال پر غور کریں گے عمر بن سعد حسینؑ کے استقلال اور ثبات قدم سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق کی بیعت نہ کرینگے جس کی بناء پر اس نے خط کو پڑھتے ہی کہا قد حسبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیة اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتا (طبری ج ۶ ص ۲۳۴)

عمر سعد کا خیال صحیح تھا حسینؑ ایسے کمزور متلون مزاج غیر ثابت قدم نہ تھے کہ کسی بڑے خطرے سے گھبرا کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی کیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ مصائب کے بہت مشکل پہاڑ انکے ثبات قدم اور کوہ گران استقلال کے سامنے سبک نظر آرہے تھے۔ انھوں نے یزید کی بیعت نہ کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم کی عصر کو زمین کربلا بنی فاطمہؑ کے خون سے رنگین تھی اور شہدائے حق کے بے سر لاشے زمین و آسمان سے اُنکی جانبازی کا مرثیہ پڑھوا رہے تھے۔
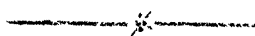
ابتدا انتہا وسط کے واقعات تو تاریخ کے طول طویل اوراق پر سے منتخب کرکے حسب موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ۔

(۱) حسینؑ بن علیؑ کا مدینہ سے ہاجرت کرنا کس سبب سے تھا؟

(۲) کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کے لئے تھی؟

(۳) حسینؑ بن علیؑ سے ابن زیاد کے خود کی بابت یہ آخری مطالبہ کیا تھا جسکو منظور نہ کرنے کا نتیجہ قتل حسینؑ کی صورت میں ظاہر ہوا؟

جواب ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت اور اُسے تسلیم کرنے کا مطالبہ ہی وہ تھا جو قتل حسینؑ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا باعث ہوا۔ یزید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ اُس وقت جب مخدرات خاندان رسالت امام زین العابدینؑ کے ساتھ یزید کے دربار میں لائی گئیں تو یزید نے امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا علی ابوك الذی قطع رحمی وجهل حقی ونازعنی سلطانی

فصنع الله بہ ما قد رأیت۔

"اے علی بن الحسینؓ تمھارے باپ نے میری قرابت داری کا لحاظ اور میرے حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلاف کیا جس کا نتیجہ تم دیکھ رہے ہو"

البدایہ صفحہ ۲۶۵

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسینؓ کا سبب یزید کی خلافت سے اختلاف تھا اور یہی وہ سبب تھی جس کی بنا پر قاتلانِ حسینؓ نے اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا۔

اب رہا دوسری تنقیح کہ یزید کی خلافت کس فرقے کے مذہبی تعلیمات کی رو سے صحیح اور اُس کی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے؟

یہ امر چنداں زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید بلکہ ان سے بڑے بڑے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے، انھوں نے تو سرے سے اس سلسلہ ہی سے اظہار برأت کیا ہے جس کی پانچویں یا چھٹی کڑی میں یزید کی امامت و خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہ گئے اہل سنت مجھ کو اُن کے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن امام اہلسنت حافظ شام جلال الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد اور ذمہ دار شخص کہے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تاریخ الخلفاء میں اس مطلب کو بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ھذا تاریخ لطیف ترجمت فیہ للخلفاء امراء المومنین

القائمین بامر الامۃ من عہد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

الی عہدنا ھذا علی ترتیب زمانھم

"اس پرلطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفاء کے جو امیر المومنین تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے لیکر اپنے عہد تک انکے زمانہ خلافت کی ترتیب کے مطابق"

انھی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں۔ انمیں سے ہر ایک کا امیر المومنین کہنے کے لئے طیار ہیں اور انکی خلافت انکے نزدیک صحیح مسلم تھی لیکن اسکے بعد نقطہ نظر پر پوری روشنی پڑتی ہے جبکہ وہ مصر کے خلفاء بنی فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

لم اورد احدا من الخلفاء العبیدیین لان امامتہم غیر

صحیحۃ لامور

میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدیین میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہے اسلئے کہ ان کی امامت وخلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی، پہلے یہ کہ وہ قریشی نہ تھے انکو ناواقف عوام فاطمی النسل سمجھنے لگے ورنہ حقیقۃً اُن کا مورث اعلےٰ ایک مجوسی شخص تھا۔

(افسوس ہے کہ تاریخ نے ان رشیدہ دوانیوں کو جو خلیفۂ عباسی کی طرف سے سلاطین بنی فاطمہ کے خلاف اُن کے نسب مین قدرت کے متعلق کی گئی تھین اور جن صورتون سے بجبر و تہدید اُس محضر پر دستخط لیے گئے تھے ہمارے سامنے پیش کر کے علامۂ سیوطی کے اس عذر کو غیر وقیع بنا دیا ہے)

دوسرے یہ کہ اکثر ان مین سے بدعقیدہ کفر و زندقہ کی طرف مائل اور اسلام سے خارج تھے اور ان مین سے بعض نے انبیا کی شان مین گستاخیان کین اور بعض نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لیے سجدہ کا حکم دیا اور جو ان تمام عیوب سے پاک ڈھونڈھا جائے اُس مین بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کثرت سے رفض کی جرأت صحابہ کو علم دیتا ہو۔

ومثل ھؤلاء لا تنعقد لھم بیعۃ ولا تصح لھم امامۃ

اور جو ایسے اشخاص ہون اُنکی بیعت درست نہین ہو سکتی اور نہ امامت اُنکی صحیح ہے

مین حافظ سیوطی سے مباحثہ نہین کرنا چاہتا نہ اس کی تحقیق کرونگا کہ مذکورۂ بالا الزامات صحیح تھیا یا نہین یہ ضرور پوچھونگا کہ کیا خلفائے بنی امیہ و عباسیہ مین ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب اور دوسرے ایسے معاصی کو جائز سمجھے اور نہ اس سوال کی جرأت کرونگا کہ کیا اُن مین سب صحابہ کی نظیرین نہین پائی جاتین اسلیے کہ مین اگر ایسا کرون تو مناظرہ کے ایک وسیع

وادی میں میرا قدم پڑ جائیگا اور میں نے مناظرہ کے لئے قلم نہیں اٹھایا ہے میں تو
صرف ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے تاریخی حقائق کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حافظ سیوطی کی اس صراحت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن
اشخاص کا تذکرہ ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بیعت قواعد کے مطابق اور جنکی امامت
وخلافت صحیح وجائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اس کے بعد جب ہم اسی تاریخ الخلفاء کی سیر کرتے ہوئے ص۲۰۵ پر پہونچتے ہیں
تو جلی حرفوں میں یہ سرخی نظر آتی ہے۔ یزید بن معاویۃ ابو خالد الاموی
جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس سے صاف
ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امامت وخلافت اسکی جائز اور قابل تسلیم تھی
اور صفحہ ۱۰ میں جناب رسالتمآب کی حدیث لایزال ھذا الدین قائما حتی
یکون علیہم اثنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھتے ہوئے جو اسماء درج
کئے ہیں وہ بھی یوں ہیں۔

ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر
الحکمین فی صفین وتسمی معاویۃ یومئذ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس
علی معاویۃ عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولدہ یزید ولم ینتظم
للحسین امر بل قتل قبل ذلک

خلافت کی ترتیب یوں ہے کہ لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کیا (تو وہ پہلے خلیفہ

ہوئے، پھر عمر پھر عثمان پھر علیؓ یہانتک کہ تحکیم کا مسئلہ پیش آیا، اُسوقت معاویہ نے خلافت کا ادعا کر لیا لیکن لوگون کا اجماع اُنکی خلافت پر حسنؓ کی صلح کے موقع پر ہوا اور اسکے بعد یزید کی خلافت پر اجماع ہوا حسینؓ کے لیئے امامت حاصل نہ ہو سکی بلکہ وہ اسکے قبل ہی قتل ہو گئے (لہذا انھین خلفا مین شمار نہین کیا جا سکتا)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی شرح صحیح بخاری مین حدیث مذکورہ کی شرح مین یون ہی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت صحیح و جائز اور حق بجانب تھی اور ان دونون ذمہ دار حفاظ و امامان اہل سنت کی تحریر کے بعد اس مین شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہین رہتی اور اسی یزید کی خلافت تسلیم کرانے کے لیئے حسینؓ بن علی قتل کیئے گئے جس کے بعد قدرتی ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُس مذہب کے نام لیوا تھے جس مین یزید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور اُن کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قاتلان حسین کے مذہب تاریخی شواہد نصوص

تاریخی اوراق اُن نصوص و شواہد سے چھلک رہے ہین جنسے قاتلان امام حسینؑ کا مذہب بے پردہ ہو کر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس جماعت سے علیحدہ نہ تھے جو کثرت کی صورت مین ہمیشہ سے سواد اعظم کا مصداق بنا رہا ہے تفصیل کے لیئے ایک طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے لیکن بغیر کسی مخصوص تتبع اور تبصرہ کے

جو شواہد پیش نظر ہین انہی کو قلم برداشتہ فہرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے

(۱)

وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل کوفہ مین آکر فرزند رسول کی بیعت لے رہے ہین اور بنی امیہ کے مظالم سے گھرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جانکر ٹوٹ پڑی ہے اور نعمان بن بشیر جو کوفہ کا حاکم ہے اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے عین اسی موقع پر ایک خط جاتا ہے کوفہ سے یزید کے پاس جس کی عبارت یہ ہے۔

اما بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفۃ فبایعتہ الشیعۃ للحسین بن علی فان کان لک بالکوفۃ حاجۃ فابعث الیہا رجلا قویا ینفذ امرک ویعمل مثل عملک فی عدوک فان النعمان بن بشیر رجل ضعیف اوھو یتضعف۔

مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہین اور شیعون نے اُنکے ہاتھ پر حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے۔ اگر آپکو کوفہ مین اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقت دار شخص کو یہان مقرر کیجیے جو آپکے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے اسلئے کہ نعمان بن بشیر جو کوفہ کا حاکم ہے یا وہ فطرۃً کمزور ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے۔"

اس مضمون کے لکھنے والے تین آدمی ہین (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید

حضرمی حلیف بنی امیہ (۲) عمارہ بن عقبہ (۳) عمر بن سعد بن ابی وقاص یزید نے اس خط کو دیکھکر ان واقعات کے بعد جو سابق میں نظر سے گذر چکے ہیں جو خط ابن زیاد کے نام لکھا اسکی عبارت قابل دید ہے۔

اما بعد فانہ کتب الی شیعتی من اھل الکوفۃ یخبرونی ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجموع لشق عصا المسلمین فسر حین تقرأ الخ

میرے پاس میرے شیعون نے جو کوفہ کے رہنے والے ہین یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ مین جتھے جمع کرکے مسلمانون کی سرحدون بنائی بات کو بگاڑنا چاہتے ہین لہذا تم فوراً وہان جاؤ اور مسلم پر قابو حاصل کرکے سزا دو (طبری ج ۶ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰)

محترم ناظرین! پہچان تو لیا ہوگا یہ عمر سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والون مین ہے؟ بیشک یہ وہی سپہ سالار ہے جو حسینؑ بن علیؑ کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جس نے سب سے پہلا تیر لشکر حسینؑ کی طرف رہا کیا تھا (طبری ج ۶ ص ۲۴۵)

اسکی یہ لفظین کہ بایعہ الشیعۃ الحسین بن علی "شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت کرلی ہے" صاف تبلاتی ہین کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ کتب الی شیعتی من اھل الکوفۃ مجھکو میرے شیعون نے کوفہ سے لکھا ہے، تبلا رہی ہین کہ یہ شخص یزید کا شیعہ اور اسکی خلافت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا، اب اس کا فیصلہ ہمارے مضمون کی گذشتہ قسط دیکھنے والے ناظرین کے ہاتھ ہے کہ اسکا تعلق کس فرقہ کے ساتھ ہو سکتا ہے؟

(۳)

حسینؑ بن علیؑ مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر کوفہ کے قریب پہونچے تھے ہین ادر حصین بن تمیم کے حکم سے جو قادسیہ مین ناکہ بندی کے لئے مقرر تھا حر بن یزید ریاحی ایک ہزار کی فوج کے ساتھ سد راہ ہونے کے لئے آگیا تھا اور روز و شب حضرت کے ساتھ ساتھ رہے کہ حضرت کو مدینۂ رسول واپس نہ جانے دے اور بڑھتے چلتے یہ قافلہ نینوا پہونچا اسی وقت ایک مسلح ناقہ سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا دونون طرف کے لوگ بے چینی سے انتظار کرنے لگے جب وہ قریب پہونچا تو اس نے حر اور اصحاب حر کو تو سلام کیا لیکن حسینؑ بن علیؑ اور اُنکے اصحاب کو سلام نہین کیا۔ وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حر کے نام جس مین لکھا تھا کہ "میرا خط پہونچتے ہی حسینؑ کے ساتھ سختی شروع کر دینا اور اُنکو ایسی جگہ اترنے دینا جہان اُن کے لئے کوئی محفوظ جائے پناہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو"

امام حسینؑ کے ساتھیون مین سے یزید بن زیاد بن مہاجر ابو الشعثاء الکندی نے خط لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ

"کیا مالک بن نسیر بدی ہے"

اس نے کہا "ہان مین وہی ہون" ابو الشعثاء نے کہا ثکلتک امک ماذا جئت فیہ خدا تجھے غارت کرے۔ یہ تو کس کام کے لئے آیا ہے؟

اُس نے جواب دیا وما جئت فیہ اطعت امامی ووفیت ببیعتی میں اُس کس کام کو آیا ہوں ؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت کی اور بیعت کو پورا کیا :
ابوالشعشاء نے کہا کہ

عصیت ربك واطعت امامك فی هلاك نسلك كسبت العار والنار قال الله عزوجل وجعلنا منهم ائمة يدعون الى النار ويوم القيمة لاينصرون فهو امامك :

تونے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کرکے اپنی ہلاکت کا سامان کیا، تونے دنیا کی فضیحت اور عذاب آخرت دونوں کو مول لے لیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روز قیامت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، ان معنوں سے بیشک وہ تیرا امام ہے (طبری ج ۶ ص ۲۳۲)

یہ مالک بن نسیر کون ہے ؟ یہ وہی ہے کہ روز عاشور جب فرزند رسولؐ زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے تو وہ شقی آیا اور حضرت کے سر اقدس پر تلوار لگائی جو عمامہ کو کاٹ کر سر میں اتری اور تمام عمامہ خون سے تر ہو گیا۔ طبری میں اس واقعہ کا تذکرہ حسب ذیل عبارت میں ہے۔

"ملبث الحسين طويلا من النهار كلما انتهى اليه رجل من الناس انصرف عنه وكره ان يتولى قتله وعظيم اثمه عليه"

ان رجلا من کندۃ یقال لہ مالک بن النسیر من بنی بداء اتاہ
فضرب علی راسہ بالسیف وعلیہ برنس لہ فقطع البرنس واصاب
السیف راسہ فادمی راسہ فامتلأ البرنس دما قال لہ الحسین
لا اکلت بھا ولا شربت وحشرک اللہ مع الظالمین (ج ۶ ص ۲۵۵)

اس کا یہ کہنا کہ اطعت امامی ووفیت ببیعتی صاف بتلاتا ہے کہ وہ
یزید کو امام وقت سمجھتے ہوئے اسکی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیعہ مذہب سے اسکی
بے تعلقی اور دوسری جماعت سے وابستگی کی بہترین دستاویز ہے۔
اسکے مقابلہ مین ابوالشعثاء کا یہ جواب کہ وہ ان ائمہ میں سے ہے جو
نار جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدہ تشیع کا پورا مظاہرہ ہے اور اس مقابلہ
سے ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزند رسول کربلا مین پہونچے اور دشمنون نے محاصرہ کر لیا ساتوین تاریخ
قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے۔
اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا
منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان
حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے سامنے پانی کی طرف سد راہ ہو جاؤ اور انکو

ایک قطرہ چکھنے کو بھی ملنے نہ پائے جیسا کہ تقی زکی مظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۳۲)

ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب الاخبار الطوال (طبع مصر صفحہ ۲۵۱) میں اس غدر کو حسب ذیل لفظوں میں نقل کیا ہے۔

"امنع الحسین واصحابہ الماء فلا یذوقوا منہ حسوۃ کما فعلوا بالتقی عثمان بن عفان"

یہاں ہیں قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہنے والے آئیں اور آنکھیں کھول کر اپنے امام اور حافظ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں اور پھر بتلائیں کہ قاتلان حسینؑ کا مذہب کیا تھا؟ حضرت عثمان کی مظلومیت کا مرثیہ خوان کون ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمان کو امیر المومنین کون کہتا ہے؟ حضرت عثمان کے خون کا بدلا لینے کا خواہش کس کو پہنچتا ہے؟

اگر شیعہ انہی عقائد کے رکھنے والوں کا نام ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے تمام اُن احادیث کو جن میں شیعوں کی مدح ہے اپنی جماعت پر چسپاں کرنے کی فکر کی ہے (دیکھو صواعق محرقہ طبع مصر صفحہ ۹۴ و ۹۵) تو ہمیں بھی یہ کہنے میں عذر نہیں کہ قاتلان امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے۔

(۴)

نویں محرم کی شام اور عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوج حسینی پر حملہ کردو اور سید الشہداء کا حضرت عباس کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جا کر انکا قصد معلوم کریں وہ وقت تھا کہ حضرت عباس بیس سواروں کی جمعیت میں دشمن کے بڑی دل لشکر کے سامنے گئے اور دریافت کیا کہ بے وقت کی یلغار کیسی ہے؟ جواب ملا " امیر کا حکم ہے کہ تم لوگ اطاعت قبول کرو اور یا فیصلہ کن جنگ ہو جائے" جناب عباس نے کہا کہ میں امام حسینؑ سے جا کر عرض کرتا ہوں۔ وہاں سے ہٹے اور وہ جماعت کہ جو آپکے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی حبیب بن مظاہر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ فریق مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام دیں اور یوں تقریر شروع کی

" یاد رہے خدا کی قسم بدترین قوم وہ ہوگی جو روز قیامت خدا کا سامنا کریگی اس حالت میں کہ اس نے نبی کی ذریت کو قتل کیا ہوگا اور انکی عترت کا خون بہایا ہوگا اور انکے ساتھ اُن عابد و زاہد خدا کے بندوں کو جو پچھلے پہر عبادت خدا کرتے اور جن کی زبانیں ذکر الٰہی کے ساتھ متحرک رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا"

عزرۃ بن قیس احمسی جو فوج مخالف میں تھا اس نے مذاق کے طور پر کہا

" حبیب جہاں تک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا عابد و تہجد گذار ہوں "

زہیر ابن قین نے پکار کر کہا عزرہ اس مین حمد بیکار کا ہے۔ خدا ہی نے اُنکے نفس کو آراستہ کیا ہے اور اُس کو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہے۔

عزرہ مین تم کو نصیحت کرتا ہون کہ خدا سے خوف کرو اور خدا کا واسطہ تم اس جماعت مین نہ رہو کہ جو گمراہ ہو کر بیگناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہے

عزرہ بن قیس یہ سنکر زہیر کی طرف مڑ گیا اور کہا۔

یا زھیر ما انت عندنا من شیعۃ اھل ھذا البیت انما کنت عثمانیا۔

اے زہیر تم ہو تم تو ہماری دانست مین اس خاندان کے شیعون مین سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔

زہیر نے کہا۔

افلا تستدل بموقفی ھذا انی منھم الخ

اچھا اب تو میرے یہان ہونے سے تم سمجھے کہ مین شیعیان اہلبیت مین ہون یاد رکھو کہ مین نے امام حسین ع کو نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی قاصد روانہ کیا تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستہ مین اتفاق سے مجھ سے انسے ملاقات ہو گئی اُسوقت مجھے رسالتمآب کا اور اُس تعلق کا جو ان کو حضرت رسول سے ہے خیال آگیا اور مجھکو معلوم ہوا کہ وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمھارے گروہ کے سامنے پیش ہونے کو جاتے ہین اسوقت مین نے دل پر ٹھان لی کہ انکی مدد کرون اور انکے انصار

اپنی جان کو ان پر سے فدا کر دو خدا اور رسول کے ان حقوق کی نگہداشت کیلئے جنھیں تم نے ضائع و برباد کر دیا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۴۲)

"تم تو شیعہ جماعت نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے"

صریحی دلیل ہو کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اسوقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ جماعت سے ہو اور وہ لوگ جو انکے مقابل میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی المسلک اور مخالف تشیع ہیں اور خود زہیر کا یہ مقولہ کہ "اب تو میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعۂ اہل بیت ہوں" وہ بھی اسکا زبردست موید ہے۔

(۵)

روز عاشور جبکہ جنگ چھڑ چکی ہو اور انصار حضرت سید الشہداء کی ایک کافی تعداد قتل ہو چکی ہے اسوقت یزید بن معقل قبیلہ بنی عمیرۃ بن ربیعہ میں سے لشکر عمر سعد کی صف سے باہر نکلتا ہے اور بریر بن خضیر کو آواز دیکر کہتا ہے۔

کیف ترى الله صنع بك دیکھتے ہو خدا نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

یہ سنکر بریر نے جو صحاب حضرت سے تھے جواب دیا صنع الله والله بی خیرا و صنع الله بك شرا میرے ساتھ تو خدا نے اچھا ہی اچھا سلوک کیا۔ بے شک تیری جی بری درگت لگائی"

یزید نے کہا۔

کذبت. وقبل الیوم ما کنت کذابا هل تذکروانا اماشیک فی بنی لوذان وانت تقول ان عثمان بن عفان کان علی نفسہ مسرفا وان معاویۃ بن ابی سفیان ضال مضل وان امام الھدیٰ والحق علی بن ابی طالب۔

تم تو جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اسکے قبل تم کبھی جھوٹ بولتے نہ تھے۔ اچھا تمہیں یاد ہے جب مین تمھارے ساتھ بنی لوذان کی جماعت مین جارہا تھا اور تم یہ کہتے تھے کہ حضرت عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ) وہ لپنے نفس پر ظلم کرنے والے یعنی معصیت کار شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان گمراہ اور دوسرون کو گمراہ کرنیوالا ہے اور سچے امام اور رہنما اگر ہین تو وہ صرف علی بن ابی طالبؑ۔

بریر نے کہا "بیشک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی مین اپنی بات پر قائم ہون"

یزید بن معقل "فانی اشھد انک من الضالین" مین گواہی دیتا ہون کہ تم گمراہ ہو۔

بریرؓ اچھا تو یہ تدبیر نہ کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کرین اور خدا سے دعا کرین کہ وہ کاذب پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہو وہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اُس کے بعد مین نکلکر تم سے جنگ کرون۔

یزید۔ اچھا یونہی سہی۔

مباہلہ ہوا اور دونون نے دعا کی کہ بارالہا جو حق پر ہو وہ دوسرے کو قتل کرنے مین کامیاب ہو اسکے بعد آپس مین تلوار چلنے لگی یزید نے ایک وار بریر پر کیا۔

اوچھا پڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہونچا۔ بریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار ایسی لگی کہ جعفر کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر تک پہونچی اور وہ گھوڑے سے گرا اس طرح کہ تلوار بریر کی اسکے سر میں قائم تھی، اور بریر نے اطمینان کے ساتھ تلوار کو اسکے سر سے کھینچا (طبری ج ۶ ص ۲۴۲)

اسسے تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہداء کا مذہب کیا تھا اور وہ کس جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھکو یہ دیکھکر مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنی زبان سے نہیں اور نہ اپنا طبعزاد بلکہ وہ ایک مسلم امام فن اور حافظ اہلسنت کی تاریخی شہادت ہے جسکے دیکھنے کے لئے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ تاریخ کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس بات پر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجلک کے پیش نظر ہے، اس سے حق و باطل کا نقشہ بھی بغیر کسی حجاب کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف تھا اور وہ کیونکر ظاہر ہوا۔

(۶)

بریر لڑ بھڑ کر قتل ہو گئے اور انکا قاتل کعب بن جابر بن عمرو ازدی، فتح و ظفر کی مسرت اور جائزہ و انعام کے خوشگوار توقعات کے ساتھ واقعہ کربلا کے بعد اپنے گھر

کوفہ واپس گیا۔ لیکن اُسکی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا "تونے فرزند فاطمہ زہرا کے قتل مین شرکت کی اور سید القراء ابرار کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے بڑا غضب کیا اب مین تجھ سے کبھی بات نہ کرونگی"

اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کئے ہین وہ درج ذیل ہین۔

سلی تخبری عنّی وانت ذمیمۃ　　　غداۃ حسین والرماح شوارع

لوگون سے دریافت کر تجھے معلوم ہوگا میرا حال حسینؑ والے دن جبکہ نیزے جنگ کے لئے سیدھے ہو چکے تھے۔

الم اٰت اقصیٰ ماکرھت و لم یخل　　　علیّ غداۃ الروع ما انا صانع

کیا مین نے بہترین طریقہ پر انجام نہین دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ ہے اور عالم جنگ مین اُس کارنمایان کے انجام دینے مین مجھ سے کوئی کوتاہی نہین ہوئی

معی یزنی لم تخنہ کعوبہ　　　وابیض مخشوب الغرارین قاطع

میرے پاس ایسا نیزہ تھا جس نے میدان جنگ مین دغا نہین کی اور تلوار تھی کہ جس کی دھار تیز اور کاٹ دار تھی۔

فجردتہ فی عصبۃ لیس دینہم　　　بدینی وانی بابن حرب لقانع

مین نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کے لئے کہ جن کا مذہب میرے مذہب سے جداگانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابوسفیان کی اولاد پر ہے۔

ولم ترعینی مثلھم فی زمانھم　　　ولا قبلھم فی الناس اذ انا یافع

اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگون کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے اُنکے
زمانہ مین اور نہ اُنکے پہلے اُسوقت کہ جب میری نوجوانی تھی۔

اشد قراعا بالسیوف لدی الوغا　　　الاکل من یحمی الذمار مقارع

تمام دنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پر سخت شمشیر زنی کرنے والے بدن اور
بیشک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہوگا وہ اسی طرح شمشیر زنی کریگا۔

وقد صبروا للطعن والضرب حسرا　　　وقد نازلوا لو ان ذلک نافع

وہ نیزہ و شمشیر کھانے کے لئے زرہین اتار اتار کر مقابلہ پر کھڑے رہے اور جنگ
بھی خوب کی لیکن رقت تعداد اور دشمن کی قوت کے سبب سے اُن کو جنگ سے
فائدہ کب پہونچ سکتا تھا۔

فابلغ عبید اللہ اما لقیتہ　　　بانی مطیع للخلیفۃ سامع

کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے ملکر پہونچا دے کہ مین بجان و دل خلیفۂ وقت کا
مطیع و تابع فرمان ہون (طبری ج ۶ صفحہ ۲۴۷-۲۴۸)

"لیس دینھم بدینی" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ اس کا مذہب انصار امام حسینؑ کے
مذہب کے خلاف ہے اور انصار امام حسینؑ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ مین صاف
نظر آرہی ہے جس کا مباہلہ کے موقع پر بریر نے اعلان کر دیا۔ اگر سواد اعظم اسلام
اسی عقیدہ کا معتقد ہو کہ جس کا بریر نے اظہار کیا تو یونہی سہی اور اگر وہ اُس عقیدہ
کے خلاف ہو تو پھر قاتلان امام حسینؑ کا مذہب بھی معلوم۔

(۷)

اب اصحاب امام حسینؑ میں سے نافع بن ہلال جملی جنگ کے لئے نکلے اور وہ
یوں رجز پڑھ رہے تھے۔

(انا الجملی انا علی دین علی)

میں قبیلہ بنی جمل میں سے اور علی کے مذہب پر ہوں"
ایک شخص مقابلہ پر نکلا جس کا نام مزاحم بن حریث تھا اس نے کہا انا
علی دین عثمان" میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں"
نافع نے کہا "انت علی دین شیطان" یہ کہہ کر حملہ کیا اور اسے
قتل کر ڈالا (طبری ص ۲۴۶)
لے لیجئے! اب تو تاریخ نے کوئی شبہ باقی نہیں رکھا، طرفین کے مذہب کو اتنی
روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۸)

عین موقع جنگ پر لشکر عمر سعد میں عمرو بن الحجاج نے کھڑے ہو کر آواز دی
یا اهل الکوفة الزموا طاعتکم وجماعتکم ولا ترتابوا فی قتل من
مرق من الدین وخالف الامام

سے اہل کوفہ امیر کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو
اور کوئی شک نہ کرو ان لوگوں کے قتل میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام
کی مخالفت کر رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے یہ آواز سنی اور فرمایا اے عمرو بن الحجاج تو میرے خلاف جنگ
کے لئے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو
خدا کی قسم جب یہ چند روزہ زندگی ختم ہوگی اور موت کا مزہ چکھو گے اس وقت
معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا ہوا اور کون آتش جہنم میں سزا پانے کا مستحق ہے
(طبری ص ۲۴۹)

اب کوئی بتلائے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام سید
الشہداء حسینؑ کو دیا جا رہا ہے اور یزید کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام
کا الزام تاریخ الخلفاء سیوطی کی روشنی میں کس جماعت کی طرف عائد کیا
جا سکتا ہے؟!!

(۹)

فرزند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کی مخدرات اسیر ہو کر دربار ابن زیاد
میں لائی گئیں اور ابن زیاد نے اعلان کرایا کہ لوگ مسجد جامع میں مجتمع ہوں۔ اس
موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر جو تقریر کی ہے اسکا افتتاحی حصہ یہ ہے کہ:

الحمد للہ الذی اظہر الحق واھلہ و نصر امیر المومنین یزید بن معاویۃ وحزبہ وقتل . . الحسین بن علی وشیعتہ

"خدا کا شکر جس نے حق اور اہل حق کو فتح عنایت کی اور خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ اور انکے گروہ کی [illegible] ی اور حسین بن علی کو انکے شیعوں سمیت قتل کیا" (طبری ص ۲۶۳)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے۔ حسینؓ کے ساتھ قتل ہونیوالی جماعت شیعہ تھی اور ان کے قتل کرنے والے اس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ دشمن مذہب کے نام لیوا تھے جیسے ابن ریاح حق کہتے ہوئے اسکی فتح پر شکر ادا کر رہا ہے اور وہ یزید کو امیر المومنین اور خلیفۂ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

(۱۰)

شہدائے راہ خدا کے سر ابن زیاد کے حکم سے [illegible] بن قیس کے ساتھ اسیر شام یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد دیتے ہوئے کربلا کا واقعہ اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

ابشر یا امیر المومنین بفتح اللہ ونصرہ ورد علینا الحسین بن علی فی ثمانیۃ عشر من اھل بیتہ وستین من شیعتہ فسرنا الیھم فسألناھم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید اللہ بن زیاد او القتال فاختاروا القتال

علی الاستسلام فغدونا علیہم مع شروق الشمس فاحطنا بہم من کل ناحیۃ حتی اذا اخذت السیوف مأخذھا من ھام القوم جعلوا یہربون الی غیر وزر ویلوذون منا بالآکام والحفر لواذا کما لاذ الحمائم من صقر فواللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزور او نومۃ قائل حتی اتینا علی آخرہم فہا تیک اجسادہم مجردۃ وثیابہم مرملۃ وخدودہم معفرۃ تصہرہم الشمس وتسفی علیہم الریح زوارہم العقبان والرخم۔

خوش ہو جیے اے امیر المومنین خدا کی فتح ونصرت سے آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ حسینؑ بن علیؑ ہمارے سامنے آئے اور اُنکے ساتھ اٹھارہ آدمی اُنکے اہلبیت مین سے تھے اور ساٹھ آدمی اُن کے شیعون مین سے۔ ہم نے اُن سے طلب کیا کہ یا تو وہ تابع فرمان ہو جائین اور امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کو تسلیم کر لین اور یا جنگ کرین مگر ان لوگون نے جنگ کو اختیار کیا۔ آفتاب نکلا ہی تھا کہ ہم اُنکی جنگ کے لئے چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے اُنکا محاصرہ کر لیا یہانتک کہ جب اُنکے سرون پر ہماری تلوارون نے پورا قابو پا لیا تھا تو اونکی یہ حالت تھی کہ وہ چارون طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔

(عقبنا چاہیے ظالم جھوٹ بول لے امیر شام کا دربار ہے اور زبان تیرے دہن مین اور کوئی ٹوکنے والا موجود نہین)

لیکن کہین پناہ نہ ملتی تھی اور وہ پہاڑیون اور گڑھون مین چھپتے پھر رہے تھے اُسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے چھپتے پھرتے ہین۔ خدا کی قسم اے امیرالمومنین بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے قصاب گوسفند کو ذبح کرے یا دوپہر کو کسی کی آنکھ لگ کر کھل جائے کہ ہم نے اُنکی پوری جماعت کو کاٹ ڈالا۔ اب یہ منظر آپ کے پیش نظر ہو کہ اُنکے جسم برہنہ پڑے ہین۔ اور اُنکے کپڑے خاک مین اٹے اور اُنکے رخسار خاک مین بھرے ہین آفتاب پوری تمازت کے ساتھ اُن پر چمک رہا ہے اور ہوا کے جھونکے مٹی اڑا اڑا کر اُن پر ڈال رہے ہین اور طائران ہوا اُنکے گرد جمع ہین

طبری کے راوی کا بیان ہے (اگرچہ ہم کو اُس کا یقین نہین) کہ اس دردناک مرقع کا تصور کرکے یزید کی آنکھون مین آنسو بھر آئے (صفحہ ۲۶۲)

ابوحنیفہ دینوری کی کتاب الاخبار الطوال صفحہ ۲۵۶ اور دمیری کی کتاب حیوۃ الحیوان ج ا صفحہ ۳۵ مین بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہان اسکی شمر بن ذی الجوشن کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دور از قیاس نہین ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ ستین من شیعتہ یعنی حسینؑ کے ساتھ اٹھارہ اُنکے اہلبیت اور ساٹھ اُنکے شیعہ تھے اب تو معلوم ہوا کہ حسینؑ کے قدم بقدم اس ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے جان نثار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر التعداد جماعت کہ جو قتل حسینؑ کے لئے جمع ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

(۱۱)

قتل حسینؑ کی خوشخبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجی جاتی ہے جن میں سے عبدالملک بن ابی الحارث سلمی قاصد بنا کر مدینہ بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اس وقت مدینہ کا حاکم تھا اس واقعہ کی خبر کرے۔

قاصد پہنچا اور حاکم مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ اچھا جا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبدالملک ناقل ہے۔ فلم اسمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ہاشم فی دورھن علی الحسین "میں نے آجتک ایسا کہرام نہیں سنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھروں کے اندر حسین پر کہرام برپا ہو گیا تھا"

یہ دیکھکر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر مثالاً پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجۃ کعجیج نسوتنا غداۃ الارنب

یعنی آج ان عورتوں کو اسی طرح رونا پڑا ہے جیسے ہماری عورتیں ایک وقت میں رو چکی ہیں۔ پھر کہا کہ ھذہ واعیۃ بواعیۃ عثمان بن عفان

یہ کہرام بدلے میں ہے اس کہرام کے جو عثمان بن عفان کے قتل سے ہوا تھا (طبری صفحہ ۲۶۸)

ہاں بے خبر دنیا چند روز کے لئے ہنسا رہی ہے تو ہنس لے لیکن یاد رکھ کہ اس کا نتیجہ سر پکڑ کر رونے کے سوا کچھ نہیں۔ عثمان کے خون کا بدلہ حسینؑ سے!!

اچھا یون ہی سہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد اُن کے قاتل پچھلے پھولے اور
ایک طویل عرصہ تک دنیا مین زندگی بسر کی لیکن حسین کے قاتل چند ہی روز مین
اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہیگا۔

یہ ہین مسلمہ تاریخی شہادتین جو قاتلانِ حسین کے مذہب کی ترجمانی کر رہی ہین
ان کو شیعہ کہنے والے سامنے آئین اور ان کا الطالبین طبری مین سے ان اوراق کو جو قاتلانِ
حسینؑ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہین اور دریا برد کر دین ان تاریخون کو جو انکی ہمنوا ہیں
ہین اسوقت بے شک یہ جرات کرنے کا موقع ہے کہ وہ پھر کہدین " قاتلان حسینؑ
شیعہ تھے "

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر دماغون مین گردش کرتا ہے کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب رکھتے تھے
کیونکہ وہ جمل و صفین و نہروان مین حضرت علیؑ کے شریک جنگ اور معاون و ہمدرد تھے
اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے تکلیفین پہونچین وہ شیعون کی سیاہ
کاریان ہین اور حضرت امام حسنؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی انہی کے
ہاتھون اور یہی وہ لوگ ہین جنھون نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور اسکی سند مین حسب
ذیل حوالے پیش کیے جاتے ہین۔

(۱) حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؑ کے پاس بھیجا تھا۔ اُس مین لکھا تھا

لا یغررک اہل الکوفۃ فانہم اصحاب ابیک الذین تمنی فراقہم بالموت او القتل۔

اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیے کیونکہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب ہیں جنسے بذریعہ موت یا قتل وہ جدائی کے متمنی تھے۔

(۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اگر شمارا سے دیگر گون کنید وعہد بشکنید وحل بیعت از گردن فرونہید قسم بجان من کہ از شما شگفت نباشد چہ با پدر من علی و برادر من حسن و پسر عم من مسلم جز این نکردید؟ (ناسخ التواریخ)

(۳) محمد حنفیہ نے جب مکہ میں امام کو سفر عراق سے منع کرنا چاہا تو کہا "اے برادر جو کچھ غدر و مکر اہل کوفہ نے آپ کے پدر و برادر کے ساتھ کیا آپ جانتے ہیں میں ڈرتا ہوں کہیں آپ سے بھی اسی طرح سلوک کریں (جلاء العیون)

لیکن مندرجہ ذیل دو تنقیحوں کے بعد یہ پوری تقریر بادر ہوا ثابت ہوتی ہے

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کرکے آپکے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونیوالوں نے آپکی رسولؐ کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ رابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب تاریخ سے ہے جس کے مطابق امیرؑ کی تصحیح کی

ضرورت نہیں۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت علیؑ ظاہری خلافت کے درجہ پر
چوتھے ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور جو ساتھ والے لوگ خواہ کوفہ کے باشندے
غیر کوفہ کے اکثر و بیشتر اسی حیثیت سے آپکی اطاعت کا فرض ادا کر رہے تھے اور
یہ امر اصول مذاہب کے علم کا مسئلہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے متعلق چوتھے نمبر پر خلافت
کا اقرار شیعی جماعت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ سواد اعظم کا طرۂ امتیاز ہے۔
اسکے بعد حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوسناک
صورتیں پیش آئیں انکی ذمہ داری شیعی جماعت پر عائد کرنا سخت ناانصافی ہے در حقیقت
اگر علیؑ یا امام حسنؑ کو شیعوں کی جماعت ملتی یعنی وہ کہ جو علیؑ کو انکے حقیقی مرتبہ
کے ساتھ پہچانے ہوئے تھے تو انکی اطاعت و جاں نثاری کی صورتیں مختلف ہوتیں
اب ہمارے اس بیان کی روشنی میں اگر ان فقرات کو ایک مرتبہ
دوبارہ پڑھو کہ ولا یغرنک اهل الکوفة فانهم اصحاب ابیک
آپ اہل کوفہ سے دھوکا نہ کھائیں یہ وہی آپ کے والد کے اصحاب ہیں وغیرہ
وغیرہ تو تمہیں نتیجہ بالکل برعکس نظر آئے گا اور معلوم ہوگا کہ کوفہ میں اکثریت
اس مذہب کے لوگوں کی تھی جو حضرت کو چوتھے نمبر پر مان کر حضرت کے گرد آکر
جمع ہو گئے تھے۔

شیعہ کہ جنھیں مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جا سکتا ہے اُن کی تعداد ابتدا ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیت کا دم بھرنے والے اور اولاد ابو سفیان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو حقدار خلافت سمجھنے والے جنھیں اس زمانہ میں شیعہ علی اور شیعہ اہل بیت کہا جاتا تھا اُن کی تعداد کافی تھی۔

گذرا ہے ایک وہ زمانہ جب کوفہ شیعیان اہلبیت چھاؤنی رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا مالک اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا ادھر شیعیان کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی چوڑی چکلی زمین اُن پر تنگ ہو گئی۔ اُن کا ہر نفس آئندہ آنے والے خطرات کی پیشین گوئی کرتا اور ہر دقیقہ و ثانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

کان اشد الناس بلاء حینئذ اھل الکوفۃ لکثرۃ من بھا من شیعۃ علی فاستعمل علیھم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ وکان یتتبع الشیعۃ وھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علی فقتلھم تحت کل حجر ومدر واخافھم وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل وطردھم وشردھم عن العراق فلم یبق بھا معروف منھم

معاویہ کے دور حکومت میں تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے اس لیے کہ وہاں شیعیان علی کثیر تعداد میں موجود تھے، ان کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا اور اس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا اور وہ خوب پہچانتا بھی تھا کیونکہ علی کے زمانہ میں وہ انہی لوگوں کے ساتھ تھا، اس نے ان کو جان سے قتل کیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں اور درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلا وطن کیا یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص ان میں سے کوفہ کے اندر باقی نہیں رہا (نصائح کافیہ صـ)

اس صورت حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفہ کے اندر شیعہ جماعت کے لئے کوئی نمایاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے سولی پانے اور جلا وطن ہونے کے بعد جو بچے کچھے اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاق قتل کی دستاویز خیال کرتے تھے۔

مثل مشہور ہے کہ "ظالم کی رسی دراز ہوا کرتی ہے" زمانہ کے ورق الٹتے رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانہ تک ان بیکسوں کا امتحان لینا منظور تھا، صورت حال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی جس میں بچے جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہوگئے شیعیت ایک مخصوص با معرفت اور صاحب ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کے اتنے بڑے

شہر مین گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی ۔
روسائے عشائر اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و با اعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرداختہ اور انکی خیر خواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ بگوش و عقیدت کیش تھے
رہ گئی عام خلقت جس پر انقلابات کا دار و مدار ہوتا ہے وہ بلا استثنا ہر ملک مین اور ہر جگہہ "ہر کسے سکہ زند خطبہ بنامش خوانند" کے مطابق ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے
ان مین ایک ایسا اچانک امر جس مین جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسون کی دعوت و تبلیغ پیدا نہین کرتی ۔
اسکے نمونہ حکومتون کے تغیر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورتون مین ہمیشہ نظر سے گذرتے رہتے ہین اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتون کا نتیجہ ہوتے ہین
بیشک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب یہی تھا کہ اس مدت مین کوئی تازہ حادثہ رونما نہین ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر انکو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے ۔
سنہ ۶۰ ھ کے رجب کا مہینہ وہ تھا کہ جسمین امیر معاویہ نے انتقال کیا اور انکا

امر کردہ خلیفہ کو جانشین اسکا بیٹا یزید ہوا۔ ایسے ہی واقع وہ ہوتے ہیں جو پر سکون فضا میں تموج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔ فطرۃً ہر شخص یوں فرمانروا کے بعد اپنے عہد بد الی سلطنت اور قسمت کے مالک کی سابقہ زندگی اور اس کے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور مجمعوں میں ہی چرچے شروع ہو جاتے ہیں۔

یزید کے اخلاق و عادات، اسکی مے نوشی اور شہوت رانی، اسکی طفلانہ جولانی اور لہو و لعب میں سرگرمی۔ احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی پرستاری ایسی نہ تھی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو۔

جاننے والوں کو یاد آگیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا اور نہ جاننے والوں کو پوچھ کچھ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے۔

یقیناً اس کا نتیجہ تھا کہ ایک عام بے چینی، اضطراب اور نفرت و بیزاری کا جذبہ سینوں میں پیدا ہو جائے اور آس کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کون ہے جو اس آڑے وقت پر کام آئے اور ان ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اپنے کاندھے پر اٹھا کر امت اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دے۔

اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشتہر ہوئیں کہ حسین بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم
کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لئے مدینہ سے مہاجرت کر کے مکۂ معظمہ
آ گئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے

اسوقت شیعوں کی اس جماعت کو جو تین برس کی طویل مدت تک طرح طرح
کے صبر آزما مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آ چکی تھی اور ہر وقت و ہر آن حضرت
احدیت کی جانب سے کشائش و نصرت کی منتظر تھی اپنی ناامیدیوں کی ظلمت سے
چھائی ہوئی تاریکی میں امید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور انکے ضمیر نے
آواز دی کہ اس موقع سے بہتر کوئی موقع نہ ملیگا اور اسوقت کا سکوت اپنے ہاتھ
اپنی خودکشی کا مرادف ہوگا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن صرد صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے جن سن رسیدہ
اور تجربہ کار سلیمان نے جو رسالتمآبؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور امیر المومنین علی
بن ابیطالبؑ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

ان معاویة هلك وان حسينا قد تقبض على القوم ببيعته وقد خرج
الى مكة وانتم شيعته وشيعة ابيه فان كنتم تعلمون انكم ناصروه ومجاهدو
عدوه فاكتبوا اليه وان خفتم الوهل والفشل فلا تغروا الرجل من نفسه

"معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکۂ
معظمہ چلے گئے ہیں آپ لوگ انکے اور انکے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں اگر آپ سمجھتے ہیں

لکھتے ہوں کہ اُنکی نصرت و مدد میں اور اُنکے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو بسم اللہ اُنکو خط لکھیے اور اگر سستی و کمزوری کا خوف ہو تو برائے خدا ایک شخص کو فریب دیکر اُسکی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیے۔

الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے اگرچہ برستے الفاظ سے وقتی جوش کو برانگیختہ اور الفاظ کی طاقت سے رگوں میں خون دوڑا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ مجمع سے خود اُنکے موجودہ جوش و ولولہ کی آخری تھاہ اور متوقع اقدام عمل پر اُنکی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور اسی کے ساتھ اُنکو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کرا دینا مقصود ہے۔ یہ امر فطری ہے کہ جذبات کی برانگیختگی کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا اندازہ مشکل سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے ثبات و استقلال کی تشخیص میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر اُنکے بڑھتے ہوئے جوش نے بیان کے الفاظ نے وہ کام کیا جو پانی کا چھینٹا اٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں پر۔ ایک زبان ہو کر سب بول اُٹھے کہ نہیں نہیں ہم یقیناً اُنکے دشمنوں سے جنگ کرینگے اور اپنی گردنیں حضرت کے قدموں پر نثار کرینگے۔

یہ جمعیت کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عالیشان قصر امارت کے وسیع صحن کی رہین منت نہ تھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں سے جنکے نمونے آجتک عربستان میں نظر آجاتے ہیں ایک مکان یعنی سلیمان بن صرد کے

گھر میں مجتمع ہو گئی تھی۔

مذکورۂ بالا سوال و جواب اور اُسکے الفاظ مین بیشک صداقت کا جوہر نظر

آرہا ہے اور وہ بولنے والون کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہے ہین لیکن وہ آئینہ

ہونیوالے اگہانی انقلابات کا کہانتک مقابلہ کر سکتے ہین اسکا فیصلہ مستقبل ہی کے

ہاتھ ہے سلیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی خط امام حسینؑ کے نام بدین عنوان لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لحسین بن علی من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبۃ و رفاعۃ بن

شداد و حبیب بن مظاہر و شیعتہ من المومنین و مسلمین من اہل الکوفۃ

اسکے بعد معاویہ کے انتقال پر اظہار مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ۔

انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق والنعمان

بن بشیر فی قصر الامارۃ لسنا نجتمع معہ فی جمعۃ ولا نخرج معہ الی

عید ولو قد بلغنا انک قد اقبلت الینا اخرجناہ حتی نلحقہ بالشام

ان شاء اللہ والسلام و رحمۃ اللہ۔

"ہمارے سر پر کوئی امام نہین ہے لہذا آپ تشریف لائیے، شاید آپکی وجہ سے ہم

حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہوسکین اور نعمان بن بشیر دار الامارہ مین موجود ہے ہم

اُسکے ساتھ نماز جمعہ مین شریک نہین ہوتے اور نہ عیدگاہ جاتے ہین۔ اگر ہم کو خبر معلوم

ہو جائیگی کہ آپ تشریف لا رہے ہین تو ہم اُسکو یہان سے نکالکر شام جانے پر مجبور کردینگے والسلام

اس خط کو عبد اللہ بن مسمع ہمدانی اور عبد اللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا
گیا اور یہ سب سے پہلا خط ہے جو امام کو مکہ معظمہ میں ۱۰ ماہ رمضان کو ملا۔
جمیعت منتشر ہوئی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو پھیلانا
شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرضداشتیں طیار ہوگئیں جو ایک دو تین
چار آدمیوں کے دستخطوں سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صیداوی اور
عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن ارحبی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ
کیے گئے۔ اس اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب سے جو یزید کی خلافت کے باعث
عام طور پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہبی مسلک کا افتراق نہ تھا ان حضرات کی مذکورہ
بالا تجویز کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ
بھی اس خیال سے نہیں کہ حسین تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال سے
کہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق سے حسین بن علیؑ ایسی کامل و لائق ہستی یقینا
مسلمانوں کے لیے بہتر ہے اس تحریک کے گرمجوشی کے ساتھ موید نظر آنے لگے
جس کو دیکھ کر ان افراد کو جو حقیقتاً اس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا
کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور اب کامیابی ہمارے قدم سے وابستہ لیکن
درحقیقت یہ فریب نظر تھا، عام خلقت کو اس تحریک سے ہمدردی ویسی ہی
تھی جیسے آندھی کے رخ پر اڑتے ہوئے پرند۔

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں لعل اللہ ان یجمعنا بک

کی تقطیع سم ورجا راو، جتماع و اتفاق کا خیال ترقع کی صورت میں ظاہر کر رہی تھیں اور یہاں اب آخری خط پر زور الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور کامل اعتماد کا مظہر ہے۔

لحسین بن علی من شیعتہ من المومنین والمسلمین اما بعد فحی ھلا فان الناس ینتظرونک لا رأی لھم فی غیرک فالعجل

العجل والسلام علیک۔

تشریف لائیے جلد اسلیے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے سوا کسی کی تا تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں لہذا جلدی کیجئے جلدی والسلام۔

اس خط کو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ذریعہ روانہ کیا گیا تھا۔

ابتک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی کہی جا سکتی ہیں اسلئے کہ ان میں جماعت شیعہ اور اس کے ذمہ دار نمائندے پیش پیش نظر آرہے ہیں اور وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بھی بالکل آخری کہا جا سکتا ہے لیکن اسکے بعد ایک خط کوفہ سے جاتا ہوا نظر آتا ہے امام حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں:

اما بعد فقد اخضر الجناب وا ینعت الاثمار و طمت الاجمام فاذا شئت فاقدم علی جند لک مجند والسلام علیک۔

"کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب لبریز ہیں جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کے لئے آراستہ موجود ہے والسلام"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہیں شیث بن ربعی حجار بن ابجر یزید بن حارث۔ یزید بن رویم۔ عزرۃ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی محمد بن عمیر تمیمی (ان واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

ذرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کرو اُن خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع و ایمان کا حوالہ ہے معاویہ و آل معاویہ کے غصب خلافت کا تذکرہ ہے حسین بن علیؑ کے استحقاق امامت کا اعتراف ہے لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اسکے علاوہ یہ سات آدمی اگر اسی جمعیت کے رکن تھے جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی بانی تھی تو اُن اجتماعی خطوط میں ان کا کہیں نام کیوں نظر نہیں آتا وہ تو یہ لوگ کوئی گمنام اشخاص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناممکن تھا کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر ایسے محراب عبادت میں زندگی گذارنے والے بے اسم و رسم اشخاص کا تو اُس میں نام ہو اور یہ لوگ نظر انداز کر دیئے جائیں پھر جبکہ وہ منتظم ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں بہ زور الفاظ میں تعجیل کی درخواست

تھی تو ان اشخاص کو انفرادی مکتوب لکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟
اور پھر میری قوت شامہ کو تو اس خط کے طرز تحریر اور اسکے الفاظ سے
بھی کوئی خلوص و محبت کی بو محسوس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اسکے مجھکو اسکے
اندر استہزا اور تمسخر کا جوہر کار فرما نظر آرہا ہے۔

آخر حسین کو لہلہاتی کھیتیوں سے کیا کام اور رسیدہ میووں سے کیا غرض
اور لبریز تالابوں سے کیا مطلب ؟ پھر اس میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کی جواب
کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے نہ آنے کو آپ کی مشیت پر محول کرکے ایک خبر
رسانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ طیاریاں ہوگئی ہیں جب آپ کا دل چاہے
تشریف لائیے۔

ان وجوہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان اشخاص کو اس جماعت سے کہ جو شیعہ
کہی جاسکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یا تو جب دیکھا کہ خطوط اس قدر جاچکے ہیں کہ
امام حسینؑ ضرور ہی انکے مطالبہ کو پورا کرکے تشریف آوری عراق کا ارادہ کرینگے
اور موجودہ صورت حال کی بناء پر انکو کامیابی بھی حاصل ہوگی تو ہم بھی ہیں پانچویں
سواروں میں کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کرلئے
جائیں اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جسکے توقعات قائم ہوچکے ہیں ہم سے بدظنی
نہ پیدا ہوگی اور یا اسکے اندر کوئی باطنی سازش مضمر تھی جس کی بناء پر متفقہ طور سے
یہ خط لکھا گیا تھا۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابل نہیں پائی نہیں جاتی بلکہ ان ہی میں سے حبیب بن مظاہر نے کربلا میں امام حسینؑ کے قدموں پر جانبازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لئے سرخروئی حاصل کی اور ان اشخاص میں سے جو خطوط کے لیجانے والے تھے سعید بن عبداللہ حنفی نے اس طرح جان نثار کی جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔

ظہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور خونخوار دشمنوں کا لشکر امام حسینؑ سے نزدیک پہنچ گیا اسوقت یہ جانباز امام کے سامنے کھڑا ہوگیا اور جو تیر حسینؑ کیطرف آتا تھا اسکو اپنے سینہ پر روکتا تھا۔ آخر اتنے تیر لگے کہ وہ جان نثار مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا (طبری ص ۲۵۲)

اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبی روز عاشورا امام حسینؑ سے اجازت لیکر میدان قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

صبرا علی الاسیاف والاسنۃ — صبرا علیہا لدخول الجنۃ

پھر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص ۷۵)

اور قیس بن مسہر صیداوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس صداقت و استقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا اس کا تذکرہ صفحۂ تاریخ پر زرین حرفوں میں ہمیشہ ثبت رہیگا۔

اُسوقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرمہ سے اہل کوفہ کے نام خط دیکر اُنکو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادسیہ مین ناکہ بندی پر مقرر تھا یہ گرفتار ہوکر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اُس نے حکم دیا کہ قصر دارالامارہ پر جاکر حسین بن علیؑ کے بارے مین کلمات نازیبا استعمال کرین ۔ یہ موقع تھا جسکو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جاکر بلند آواز سے کہا۔

ایھا الناس ان ھذا الحسین بن علی خیر خلق اللّٰہ ابن فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ وانا رسولہ الیکم وقد فارقتہ بالحاجر فاجیبوہ

تم سب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حسین فرزند علی و فاطمہ اسوقت خلق خدا مین سب سے افضل و بہتر ہین اور وہ مقام حاجر تک پہونچ چکے ہین میں اُنہی کا بھیجا ہوا ہون اب تم سب اُنکی آواز پر لبیک کہو۔

یہ لفظین ختم ہوئی ہی تھین کہ ابن زیاد کے حکم سے اُنکو قصر دارالامارہ کی بالائی سطح سے نیچے گرادیا گیا اور اُس شہید راہ خدا کی ہڈیاں سرمہ سا ہو گئین (طبری ص ۲۲۴)

ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور اُنکی برادت قتل حضرت سید الشہداء سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

بخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان مین سے پانچ شخص شبث بن ربعی اور حجار بن ابجر اور عزرہ بن قیس

اور عمرو بن حجاج زبیدی اور یزید بن حارث مسلماً واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام حسینؑ میں شریک تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر نہیں آتے لیکن قرائن کی رو سے قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنے ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے کہ نہ انھوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی بنا پر ان کا جماعت شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط دیکھ کر احتیاطی تدبیر کی کہ مسلم بن عقیل کو اپنا نمایندہ بنا کر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من حسین بن علی الی الملأمن المومنین والمسلمین اما بعد فان هانئا وسعیدا قدما علی بکتبکم وکانا آخر من قدم علی من رسلکم وقد فهمت کل الذی قصصتم وذکرتم ومقالة جلکم انه لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الهدی والحق وقد بعثت الیکم اخی وابن عمی وثقتی من اهل بیتی وامرته

ان یکتب الیّ بحالکم و امرکم و رأیکم فان کتب الیّ انہ قد
اجمع رأی ملأکم و ذوی الفضل و الحجیٰ منکم علی مثل
ما قدمت علیّ بہ رسلکم و قرأت فی کتبکم اقدم علیکم
وشیکا ان شاء اللہ فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب
والآخذ بالقسط والدائن بالحق والحابس نفسہ علی ذات
اللہ والسلام

ہانی اور سعید تمھارے خطوط کو لیکر پہونچے، اور یہ دو شخص تمھارے
سب سے آخری قاصد ہین جو میرے پاس آئے ہین، مین نے جو کچھ تم لوگون نے
لکھا تھا اسکو غور سے پڑھا اور سمجھا، تم مین سے اکثر کا قول یہ ہو کہ ہمارے
سر پر کوئی امام نہین آپ آئیے شاید خدا ہم کو آپکی بدولت حق پر مجتمع کردے،
اچھا تو اب مین تمھاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد
عزیز قریب کو روانہ کرتا ہون اور انھین حکم دیدیا ہے کہ وہ مجھکو تمھارے حالات
وخیالات سے مطلع کرین، اگر انھون نے لکھا کہ تمھاری جماعت اور اہل حل
وعقد افراد نے اتفاق کر لیا ہے اُس امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط مین ظاہر
کیا ہے تو مین عنقریب تمھاری طرف آتا ہون اور امام کے کوئی معنی نہین سوائے
اُس شخص کے جو کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور حق کا متبع اور اپنی
ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو والسّلامٌ (طبری ۱۹۶ و ۱۹۹)

آخری لفظوں مین درحقیقت خط لکھنے والوں کے عقیدۂ تشیع کی لطیف عنوان سے اصلاح ہی، انکا تشیع حقیقۃً صرف محبت اہلبیت اور اُنکے مقابلہ مین دوسرون کو ناقابل حکومت وخلافت سمجھنے تک محدود تھا لیکن معارف صحیحہ اور عقائد حقہ جو فرقۂ شیعہ مین بحکم عقل وتعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلم حیثیت رکھتے ہین وہ اُنکی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ پیش نظر آتا ہے کہ لیس علینا امام "ہمارے سرون پر کوئی امام موجود نہیں" حالانکہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلون مین موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج ولشکر اور تاج وتخت کی محتاج نہین اور وہ اب نہین بلکہ دس برس پیشتر سے حسینؑ بن علیؑ کے لئے محفوظ ہے، وہ اس کی محتاج نہین ہے کہ حسینؑ آنکی جماعت مین آکر انکی نصرت حاصل کرین اور اُنکے اتفاق واتحاد سے فائدہ اُٹھائین تب امامت کا انعقاد ہو۔

امام نے اپنے اس جملہ مین کہ ما الامام الا العامل بالکتاب الخ، سنکو حقیقت امر پر مطلع فرمایا ہے "کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور اپنی ذات کو ہر حرکت وسکون مین لازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے" اسی تفصیل کا اجمال اور اصطلاحی مفاد "معصوم" ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لئے کسی قہر وغلبہ کی حاجت نہین ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہر حال

امام تب ۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لئے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمایندہ کی حیثیت رکھتے تھے جو کوفہ کی رائے عام اور وہاں والوں کے حالات وخیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کرکے حضرت کو اس سے مطلع کریں۔

حضرت مسلم کے ورود کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات قلمبند کئے ہیں اُنکی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کے گھر میں اُترنے کی ضرورت نہ تھی[۱]

جبکہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روح رواں اور قائد اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ موجہ اور با اقتدار تھے جسکی تصدیق اُن الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسینؑ انتقامی تدابیر پر غور کرنے کے لئے

---

[۱] مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتب مقاتل میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں ۔

جمع ہوئے ہیں اور مسیب بن نجبہ نے صورت حال کو پیش کرتے ہوئے کسی رئیس کے انتخاب کی تحریک کی ہے اُسوقت رفاعہ نے کہا۔

ان رأیت ورأی اصحابنا ذالک ولّینا ھذا الامر شیخ الشیعۃ صاحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وذا السابقۃ والقدم سلیمان بن صرد المحمود فی باسہ ودینہ والموثوق بحزمہ۔

"اگر سب کی رائے ہو تو ہم اس مہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان بن صرد کے سپرد کریں جو شیخ الشیعہ اور رسالتمآب کے صحابی اور ہم سب پر مقدم اور کارہائے نمایان کئے ہوئے شخص ہیں جنکی شجاعت و دیانت دونوں قابل تعریف وثنا اور موقع بینی و آزمودہ کاری محل اطمینان ہے (طبری جلد ۷ صـ۴۸)

انکی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو انہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا اور پھر مسلم کے دوران قیام میں اُسوقت کہ جب حالات سازگار تھے اور لوگ بیعت کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے وہاں بھی سلیمان کا کہیں تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی دعوت پر پہلا جو اجتماع ہوا اُس کے مقررین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں ہے حالانکہ عرب کی سابقہ و حسال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر موجود ہوتے تو سب سے آگے

اسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا حق نہ تھا۔
اور اگر سلیمان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے پہلوتہی
کرتے تو سلیمان کی نمایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ اہمیت
کے ساتھ نہ درج نظر آتا کہ سلیمان ایسے شخص نے مسلم سے بوقت ورود ہی علیحدگی
اختیار کی اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو اس تلخ تجربہ
کے بعد اہل کوفہ کی وفاداری اور ثبات قدم و استقامت کے متعلق وہ خوشگوار
توقعات قائم نہ ہوتیں جنکے باعث وہ امام حسینؑ کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں
تشریف لائیے۔

حضرت مسلم نے مختار بن ابو عبید کے مکان پر قیام کیا اور جن جن
اشخاص کو اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل کرنے
کے لئے آتے گئے۔ جب کافی مجمع ہو گیا تو مسلم نے امام کا خط جو جماعت
شیعہ کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر
ہوئے اور عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے
بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

انی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسھم وما
اغرک منھم واللہ احدثک بما انا موطن نفسی علیہ واللہ
لاجیبنکم اذا دعوتم ولاقاتلن معکم عدوکم ولاضربن بسیفی

دونکم حتیٰ القی اللہ لا ارید بذلک الا ما عند اللہ۔

"مجھ کو عام لوگون کے متعلق کسی اظہار خیال کا حق نہین اور نہ مجھے معلوم ہے کہ انکے دلون مین کیا ہے اور نہ مین انکی طرف سے وکالت کر کے آپکو فریب مین ڈالنا چاہتا ہون لیکن مین تو وہ ظاہر کرتا ہون جس کو مین نے اپنے دل مین ٹھان لیا ہے خدا کی قسم مین جس وقت بھی آپ دعوت دیگر لبیک کہتا ہوا حاضر ہونگا اور آپ کے ہمراہ دشمنون سے جنگ کرونگا اور آپکے سامنے شمشیر زنی کرونگا یہان تک کہ اس زندگی کو ختم کر کے اپنے خدا سے ملاقات کرون اور میرا مقصد اس سے سوائے جزائے اخروی کے کچھ نہ ہوگا۔"

یہ تقریر ختم ہوئی تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہو گئے "مرحبا جزاک اللہ کتنی مختصر لفظون مین تم نے اپنے ذاتی خیالات کو واضح کر دیا۔"

پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کر کے "خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عابس بن ابی شبیب نے اپنی لفظون مین ادا کیا۔"

ایسی ہی لفظون مین سعید بن عبد اللہ حنفی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا۔

خط کے مضمون کی بنا پر اس کارروائی کا مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و پیمان اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے ہین اور اس مین یہ لوگ مسلم کی معاونت کرین گے اور نہ اسوقت یہ وہم و خیال

کسی دل و دماغ مین گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز مین تن تنہا مسلم کے مقابل مین فوج آتی ہوگی اور اس لئے اس تمام جماعت کو طیار رہنا چاہئے بلکہ یہ عہد و پیان حضرت امام حسین کی تشریف آوری کی پیش بندی اور اوس موقع کے لئے ان لوگون کے عزائم و نیات کے اندازہ کے لئے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ مین عام طور پر مشہور ہوگئی اور جو فضا کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسین کو دعوت کے متعلق ابتدا ہی سے کوفہ مین پیدا ہوگئی تھی اور جس کے اسباب وضاحت کے ساتھ درج کئے جا چکے ہین ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔

بقول شخصے کہ خلقت بھیڑیا دھسان ہوتی ہے جدہر ایک چلا اُدھر سب یزید کی خلافت سے بسبب اُسکی سیاہ کاریون کے بیزاری ایک طرف حسین بن علی کی ہر دلعزیزی نہ مذہبی نقطہ نظر سے بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ سے دوسری جانب وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے اُنکی ذاتی وجاہت و تعلقات تیسری جانب اور کل جدید لذیذ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک مین جو لذت یا جذب ہوتا ہے وہ چوتھی جانب ان تمام باتون کا ملکر نتیجہ تھا کہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتہ کے اندر اٹھارہ ہزار کوفیون نے بیعت کی۔

لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ مین زیادہ آل زیاد کی ننھیال

حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلوارین اور جلادون کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست وپا سرو زبان کے قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا کوفہ میں بیس ہزار کی آبادی میں شیعہ موجود ہو سکتے تھے۔

اور جب یہ نہیں تو کیا مذکورۂ بالا عارضی اسباب سے جو رائے عام ہموار ہوئی ہو اس میں کوئی وزن با ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟

بیشک جب اس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی حالانکہ وہ یہیں کے رہنے والے پروردہ اور تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنھیں اس شہر کے حالات کا تجربہ بھی حاصل نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابل تعجب نہیں ہے۔

مسلم کی تحریک کو چلانے والے۔ آنکی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جانبازی کا اقرار کرنیوالے اور رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت وبیعت پر آمادہ کرنے والے بیشک سب شیعہ تھے اور انکا کام یہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق بنا دیں جس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی لیکن آئندہ کے انقلابات کوئی دوسری صورت پیدا کرینگے اسکی ذمہ داری اُنپر عائد نہیں ہو سکتی۔ بیشک ان لوگوں نے اپنے اقرار وفا اور عہد جانبازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا اسے کر دکھایا جسکے مشاہدہ کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا چاہئیے۔

مسلم بن عقیل کو حالات امید افزا نظر آرہے ہیں۔ امام حسینؑ کو خط بھی لکھدیا ہے کہ کوفہ آپ کے ساتھ ہے تشریف لائیے مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے انکو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہورہا ہے جسکی بناء پر وہ اپنی حفاظت کے لئے احتیاطی تدبیر عمل میں لائیں ۔

کوفہ میں یہ خبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسین بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص چہل پہل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ جماعت جماعت لوگ بیٹھ کر اس مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہیں اور بےچینی کے ساتھ دیدہ براہ ہیں لیکن ۔۔۔ تو نہیں معلوم کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنھیں حسینؑ بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموال خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہیگا۔ انھی کی جانب سے مخفی کارروائی یہ ہوئی کہ یزید سے حاکم حال کو معزول کرکے ایک مدبر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا اور وہاں قرعۂ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا، عبید اللہ کوئی اور نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور معاویہ کا ایک معنی سے بھتیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مکاری وغداری کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل وحرکت کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا تاکہ اُس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور

پھر راستہ مین جبکہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع مین تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرہ پر اُسی طریقہ سے جو عرب مین کہیں ہمادروں مین سخت موقعون پر مرسوم ہے ایک ڈھاٹا باندھ لیا جسکی بنا پر شناخت ناممکن ہو گئی

ایک مرتبہ شہر پناہ کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر ایک رئیس قوم پورے وقار و تمکنت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشراف عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین ولجام، ساز وسامان سے آراستہ اس حشم و خدم کو دیکھکر اُن توقعات کی بنا پر جو قائم تھین وہی ہونا چاہیئے تھا جو ہوا یعنی ہر شخص یہی سمجھا کہ حسینؑ بن علیؑ تشریف لائے ہین اور اُس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دلون مین تھا جس جماعت کی طرف سے عبید اللہ کا گذر ہوتا تھا وہ بنظر تعظیم کھڑے ہوکر آداب بجا لاتی تھی اور "خوش آمدید" کے معنون مین یہ الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ مرحبا بک یا ابن رسول اللہ قدمت خیر مقدم

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازون کو سنتا، چہرون کو بغور دیکھتا، شکل وشمائل کو پہچانتا چلا جا رہا تھا یہان تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور لوگ اشتیاق مین گھرون سے نکل آئے اور ہر شخص بخیال خود فرزند رسول کے زیارت کی تمنا مین آگے بڑھنے لگا اور نوبت یہ پہونچی کہ راہ چلنے

مین رکاوٹ پیدا ہوئی اُسوقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا پکار کر کہا:۔

تاخروا ھذا الامیر عبید اللہ بن زیاد "راستہ چھوڑ دو

یہ حسینؑ نہین امیر عبید اللہ بن زیاد ہین"

نہ معلوم ان الفاظ مین کونسا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اُٹھے ہوئے ہاتھ اور مسرت آمیز ترانے سب موقوف ہوگئے اور سناٹا سا چھا گیا۔ مجمع بھی منتشر ہوا اور جس وقت ابن زیاد دارالامارہ مین پہونچا ہے تو دس آدمیون سے زیادہ اُسکے ساتھ نہ تھے (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱)

اب ذرا فطری رجحانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ باطنی اضطرابات کا اندازہ کرو، ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت سے ظہور پذیر ہو وہ خود سنسنی پیدا کردیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورت حال کہ انھون نے اپنے ہاتھون اپنے خلاف جاسوسی کے فرض کو ادا کیا یعنی اپنے باطنی خیالات وجذبات اور حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ خلوص وعقیدت کو خود ابن زیاد کے سامنے بوقت ورود پیش کردیا، اور ابن زیاد نے صاف ایک ایک کے چہرہ اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور ابن زیاد وہ ہے کہ جس کی اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنین اس طرح خم رہی ہین کہ جس کو چاہا گرفتار کیا، سولی پر لٹکا دیا یا جلاد کے ہاتھ

سے اُس کی ڈگ گردن کو قطع کرادیا اور ایسے ہیبت ناک مناظر انہی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں جنکو سوچ کر اب بال رونگٹے کھڑے ہوجاتے اور دل ہلجاتے ہونگے، اور اب وہی صورتین اپنے اور اپنی اولاد اور اعزا و اقارب کے لئے پیش نظر ہین، کیا یہ وجود ایسے نہ تھے جنکی بنا پر دل و دماغ معطل، قوائے عمل سلب اور طاقتین مضمحل اور ہمتین پست ہوجاتین اور دلوں پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہوجاتا۔

عربستان مین ابتک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھکو نہین معلوم دوسرے ممالک مین بھی اسکی نظیر پائی جاتی ہے یا نہین کہ بڑے شہروں مین ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہے جو اُس محلہ کی مردم شماری، وارد و صادر، زائیدہ و مردہ،،، شادی شدہ و غیر شادی شدہ وغیرہ امور کے تشریحات کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ دار رہتا ہے اور اگر کوئی شخص اُس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہین مفرور رہو اُسکی جواب دہی، بسر اغرسانی کی ضمانت بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ابن زیاد نے مسجد جامع مین ایک تہدیدی تقریر کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلات کوفہ کے ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت یعنی مختاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ نو وارد ہین اُنکی فہرست اور جن لوگوں سے

حکومت شام کو خطرہ ہے اُنکے نام ادارۂ حکومت محلیہ مین پیش کر دیئے جائین اور اگر وہ کسی وجہ سے اُن ناموں کے تفصیل وار لکھنے سے معذور ہون تو ضمانت داخل کرین کہ اُن کے محلہ مین سے کوئی متنفس بھی حاکم شام کی مخالفت پر آمادہ نہوگا اور اسکے خلاف ظاہر ہوا تو اوس مختار محلہ کو خود اُس کے گھر کے دروازہ پر سولی دی جائے گی اور اُس کے خاندان سے ہمیشہ کے لئے اس منصب کو علیحدہ کر لیا جائے گا۔ (طبری صفحہ ۲۰۱)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو، کوفہ کا چپہ چپہ جواسیس ومخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے ایسے سخت قانون مین وہ تنبیہی طاقت نہین جو اس صورت سے پیدا ہوئی اسلئے کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ مین ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے ڈرتا جھجکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا تھا اور اس طرح دس آدمیون پانچ آدمیون کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی قرارداد طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورت حال کے بعد کوفہ کی رائے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب امر نہ تھا جبکہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت مین جنھون نے بیعت کی تھی سب کے اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما نہ تھی جو اونکو سخت موقع کے لئے اپنی جان کو خطرات مین ڈالنے پر استقلال سے آمادہ رکھتی بلکہ اس جم غفیر کے

اتفاق و اجماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرہ کا اندازہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہوا۔ اب انکا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ وہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر جہاں تک مقدور ہو اپنے تحفظ کے لئے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔ اسکے لئے انھیں مختار بن ابو عبیدہ کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا اس لئے کہ انکا قیام وہاں مشتہر ہو چکا تھا۔ اور پھر اگر کوئی وقت آئے تو ان انکی حمایت کرنیوالا بھی کوئی نہ ہوتا۔ مختار بن ابو عبیدہ شریف تو تھے لیکن صرف ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور پھر وہ خود آنے والے واقعات سے بیخبری کی حالت میں چند روز سے اپنے موضع پر گئے ہوئے تھے (طبری جلد ۷ ص ۵۸)

لہذا مسلم نے اپنے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر معلوم طریقہ پر ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہانی کی تائید حاصل کر لینا مسلم کے لئے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلۂ مراد و مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہمراہ رکاب چلتے نظر آتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے تئیں
بارہ ہزار شمشیر زن بہادروں کی آغوش میں ڈالدیا ہے کہ جو اُن کے حفظ
جان و آبرو کی بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوائے مخصوص افراد کے
جو محل اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افراد شیعہ کو جو اس
تحریک کے بانی تھے اپنی ناکامیابی کا بھیانک منظر سامنے نظر آ گیا تھا
لیکن وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن سے صورت
حال کی اصلاح ہو سکے چنانچہ مسلم بن عوسجہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص
اور وکیل عام تھے کہ وہ آپ کی جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہمدردی
حاصل کریں اور اُن سے امام حسینؑ کی بیعت لیں اور ابو ثمامہ صائدی
امانت دار یا خزانچی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اموال جمع ہوں
اُن کو اپنی تحویل میں رکھکر اپنی صوابدید سے سلاح جنگ وغیرہ
خرید کریں۔

معقل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و تزویر کے ساتھ
اظہار تشیع کر کے مسلم بن عوسجہ سے حضرت مسلم کے جائے قیام کا پتہ لگایا اور
ابن زیاد کے پاس سراغ رسانی کی جسکی بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن
عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو اُن تحفظات پر جو انھوں نے مسلم بن عقیل کے اخفا میں کی تھیں کامل اعتماد تھا اور اسی غرور کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی پیغام پر اُن کے دل میں کسی قسم کا خطرہ نہ گذرا اور نہ انھوں نے اس موقع پر اپنے بارہ ہزار ہوا خواہوں میں سے کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی ضرورت محسوس کی بلکہ خود تن تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے راز کشت تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقرار کے بعد اپنے مہمان کو حوالہ کر دینے سے انکار مشتعل کرن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سر و چہرہ خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیجدیئے گئے

سردار بنی زبیدہ عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا اُسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے تو وہ مذحج کے بہت سے زرہ پوش سوار لیکر دارالامارہ پر چڑھ دوڑا اور تلواروں کی جھنکار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا کر دیئے لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فہمائش اور اس کہنے سے کہ ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند کر دیئے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا، اُنکا پناہ دینے والا وفادار اور مستقل مزاج بہادر ہانی بن عروہ اُن کی وجہ سے زد و کوب

کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں ہے اور مسلم کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں یاعزباہ یا ثکلاہ کہہ کر نالہ و شیون کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف سے کہ یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں جا کر مخفی ہو جاتے، بلا واللہ! غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انھون نے یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں تو پھر میں بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ لم یکن خروجہ یوم خرج علی میعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ھانی بن عروۃ المرادی قد ضرب وحبس "مسلم کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرار داد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی، وہ ایک مرتبہ اسوقت کھڑے ہو گئے جب ان کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی کو زد و کوب کے بعد قید کیا گیا ہے۔

(طبری جلد ۷ صفحہ ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ ۱۸ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد جمع ہو جاتے اور جنگ میں انکے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جبکہ کوفہ کے محلہ بھی ایک

دوسرے کے متصل نہین بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ ہان یہ محلہ کہ جس مین مسلم کا قیام تھا کافی وسعت رکھتا تھا اور اُسی کے اطراف مین مسلم کے گرد اگرد چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جو نہی "یا منصور امت" کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے سے قرارداد کے مطابق ان کا شعار یعنی امتیازی نعرۂ جنگ تھا تو اُس وقت شرماشری وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اُس محدود وقت مین جبکہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہان تک مقابلہ کے لئے طیاری کرسکے ہونگے اسکا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دارالامارہ تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہونچتے پہونچتے صرف تین سو رہ گئے لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لئے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہانتک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور ظہر سے شام تک برابر زد و خورد ہوتی رہی۔

موجودہ جمعیت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ مین شریک ہے

درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی روح شیوخ واشراف قبائل ہیں جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق حکومت وقت کے ہواخواہ اور پابند فرمان ہیں اور ابن زیاد نے بروقت بیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ واشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ ان سے حسب موقع کام نکالا جاسکے اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناکہ بندی کرادی یعنی چار راہوں اور عام راستوں پر پہرے بٹھلا دیئے کہ کوئی مسلم کی مدد کو نہ آسکے اور صورت واقعہ کی بنا پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجتمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اکادکا جسکو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی معیت میں مسلم کے ساتھ شرکت کے لیے آتا اور وہ فوراً گرفتار کرلیا جاتا۔ چنانچہ عبدالاعلےٰ بن یزید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لئے ہوئے آرہا تھا جس کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محلہ بنی عمارہ کی طرف سے عمارہ بن صلخب ازدی نے ہتھیار جسم پر آراستہ کرکے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن اشعث نے گرفتار کرلیا۔ یہ دونوں جانباز مسلم وہانی کی شہادت کے بعد پسر زیاد کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۶)

اس طرح مسلم سے مختلف اطراف وجوانب کی مدد قطع ہوگئی۔ دوسری

جانب اشراف قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دارالامارہ پر جا کر اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار کر حکومت شام کی جانب سے تخویف وتہدید کریں اور مسلم کی شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کریں چنانچہ ان لوگوں نے ہمدردانہ لہجہ میں قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنیوالی ہیں جس کے بعد تمہاری جان ومال واولاد سب تلف ہوجائیگا۔

دمشق سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو اضطراب پیدا نہ کرے اس خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہوگئی۔ حالت یہ تھی کہ

انّ المرأة كانت تاتى ابنها واخاها فتقول انصرف الناس يكفونك ويجيئ الرجل الى ابنه واخيه فيقول غدا ياتيك اهل الشام فما تصنع بالحرب والشر انصرف فيذهب به

عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چل یہاں سے چل دوسرے لوگ کافی ہیں اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے بھائی کے پاس آکر کہتا تھا کہ کل دمشق سے لشکر آجائے گا پھر تو کیا کرے گا۔ چل لڑائی سے کنارہ کشی کرکے اور مجبور کرکے اسے اپنے ساتھ واپس لیجاتا تھا

(طبری ص ۲۰۸)

نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے اور آخر ایک خون ریز صف آرائی کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خوف و دہشت کی کامل عملداری اور رعب و ہیبت کا پورا دور دورہ تھا لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لئے چاروں طرف سناٹا اور ہو کا عالم تھا اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا ہے کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے ہمراہ رکاب ۱۲ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کی غلط خبر سننے پر دار الامارہ کھنچی ہوئی تلواروں کے حلقہ میں آگیا تھا آج مشکیں کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں"

وہ پکار رہے ہیں کہ وا مذحجاہ ولا مذحج لی الیوم وا مذحجاہ و این منی مذحج" کہاں ہیں میرے قبیلہ والے بہادر بنی مذحج ہائے نہیں آج میرے لئے مذحج نظر نہیں آتے" لیکن کوئی ایک متنفس بھی انکی طرف رخ کرتے دکھلائی نہیں دیتا یہاں تک کہ ابن زیاد کا غلام ترکی اپنی تلوار سے انکے سر و تن میں جدائی کر دیتا ہے

یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور رواقعیت کو اعتبار قرار دینے کا تخیل پیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیان اہلبیت اور حسین ؑ بن علی ؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ

نہ تھے اس وقت عجب عالم مین تھے ، انکو چھپنے کے لئے گوشہ ن بی تنہا تھی جنکا انہی بھی شمار ہو رہا تھا - ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عنقریب حسینؑ بن علیؑ تشریف لانے والے ہین اور اگرچہ ہمتین پست ہو چکی تہین لیکن اُن کے آنے سے کہین پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہذا اس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انھین قید کرنا شروع کیا چنانچہ مختار بن ابو عبیدہ ثقفی جو مسلم کے خروج کے موقع پر کوفہ مین موجود نہ تھے اور اُسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہونچے کہ مسلم کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمرو بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص اسکے نیچے چلا آئے اُس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان نہ ملی اور وہ پا بزنجیر کر دیئے گئے اور اسی طرح عبد اللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص ،

ادہر حاکم اعلی یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم ہونے کے بعد ابن زیاد کو حسینؑ بن علیؑ کے قصد عراق پر مخصوص طور سے توجہ دلاتے ہوئے لکھا ۔

انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد توجہ نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التہمۃ

" مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہین

اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور سنگرنا کرو اور جہاں ہم گمان بھی خطرہ کا ہو تو اس سے تحفظ کرو اور بدگمانی جس پر ہو اسے فوراً گرفتار کرلو

(طبری ص۲۱۵)

اب کیا تھا، قید وبند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیلخانے قیدیون سے چھلکنے لگے اس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اس تقریر مین جو یزید کی ہلاکت کے موقع پر اس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہے۔

وما ترکت لکم ذا ظنۃ اخافہ علیکم الا وھو فی سجنکم "کوئی ایسا شخص نہین جس پر گمان بھی ہوسکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کریگا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے۔" (طبری جلد ۷، ص۱۸)

نیز اس گفتگو سے جو اس موقع پر جبکہ وہ بعد ہلاکت یزید بصرہ سے فرار ہوکر دمشق جارہا تھا راستہ مین داؤد بن شریح یشکری سے کی ہے جسمین اس نے کہا کنت اقول لیتنی کنت اخرجت اھل السجن فضربت اعناقھم مین ابھی اپنے دل مین کہہ رہا تھا کہ کاش مین نے اُن لوگون کو جو قیدخانہ مین بند تھے نکالکر گردن زدنی کا حکم دیدیا ہوتا اسلئے کہ وہی لوگ بعد مین انقلابات کا سبب ہوئے (جلد ۷، ص۲۰)

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو حاصل کرلیا گیا جس کے بعد کسی متنفس مین اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت

کا نام بھی زبان پر لائے۔ اب اس کی توجہ خارج کی طرف ہوئی کہ کہیں بصرہ و مدائن اور دیگر اطراف کے لوگ رجحان شیعہ کافی تعداد میں ہیں آ کر ہوئی دراندازی نہ کریں، نیز حسین بن علیؑ کے بکا آنا قریب زمانہ میں تھی ہر دونکے ساتھ کسی سازو باز کے لئے کوئی جماعت باہر جانے پائے۔

اس کے لئے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز و عراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کوتوال شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور واقصہ سے لیکر قطقطانہ تعلع، اور خفان اور اطراف وجوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے اُن سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہان تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جاسکتا تھا چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لیجا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہونچکر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سید الشہداء جب ان حدود میں پہونچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا لا واللہ ما ندری غیر انا لانستطیع ان نلج ولا نخرج خدا کی قسم ہمین اور کچھ نہین معلوم لیکن اتنا ہے کہ ہم نہ اندر جاسکتے ہین اور نہ باہر نکل سکتے ہین۔"

حر بن یزید ریاحی جو ایک ہزار کے لشکر سے امام حسینؑ کا سد راہ ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں مقرر تھی

یہ سب اسی لئے تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کے لئے کوفہ سے نہ آسکے یا تنک کہ طرماح بن عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستہ سے آکر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہین اُسوقت حر نے آکر حضرت سے کہا کہ "یہ لوگ جو اہل کوفہ مین سے ہین آپکے ساتھ مکہ سے نہین آئے ہین لہذا مین انکو گرفتار کرتا ہون یا کوفہ واپس جانے پر مجبور" لیکن حضرت کے اس فرمانے پر کہ "اب جبکہ یہ میرے پاس پہونچ گئے ہین تو میرے ہی اصحاب و انصار مین داخل ہین اور اب انکی حفاظت مجھ پر فرض ہے لہذا ناممکن ہے کہ مین ان کو تمھارے سپرد کردون" اُسکو ساکت ہونا پڑا

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۰)

اس موقع پر کہ جب امام حسینؑ کربلا مین پہونچ چکے تھے خود ابن زیاد نے کوفہ سے نکل کر نخیلہ مین اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہین افواج کا معائنہ ہوتا تھا اور انھین ترتیب دیکر کربلا روانہ کیا جاتا تھا۔

(تصدیق کے لئے دیکھو طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۰)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کئے جاتے تھے اُن مین سے بعض امام حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے لشکر سے نکلکر کوفہ واپس جاتے تھے جس کے لئے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن منقری کو کچھ سوارون کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو ایسا شخص وہان ملے اُس کو گرفتار کرکے روانہ

کیا جائے۔ سوید نے ایک شخص کو اہل شام مین سے جو کوفہ کسی اپنے ذاتی معاملہ کے لئے آیا تھا گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھیجا اور اس نے ہیبت قائم کرنے کے لئے اُس کو قتل کرا دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو ٹھہر گئے تھے نکلکر کربلا روانہ ہوگئے (الاخبار الطوال ص ۲۵۴)

ان بیانات سے صریحی طور پر چند نتیجے مرتب ہوتے ہین۔

(۱) کوفہ کی جماعت شیعہ مین جسین ؑ کی ہمدرد بناتی تھی اور جنکو نصرت کا خیال ہوسکتا تھا ایک کثیر تعداد پابہ زنجیر کرلی گئی تھی اور اس طرح نہ معلوم کتنے باہمت اور جگر دار اشخاص ہونگے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسین ؑ پر سے نثار کرتے لیکن اس موقع پر وہ تاریک و تار زندان مین مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکہ بندی اور راستون کے انسداد نے کوفہ کے رہنے سے اشخاص کے لئے جن مین جذبہ نصرت حسین ؑ ہوسکتا تھا حضرت تک پہنچنے کو دشوار بنا دیا تھا اور اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً نخیلہ مین کر جو بالکل کوفہ کے کنارے پر کربلا کے راستہ مین تھا گرفتار کرلئے جاتے یا آگے بڑھ کر قادسیہ وخفان و قطقطانہ و لعلع وغیرہ کی منزل پر وہ دستگیر ہوجاتے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزما شخص کوفہ مین ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسین ؑ کی جنگ کے لئے نہ نکلے اور اس طرح آن زاد

کے لئے جو حسینؑ کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی اعن
جان ومال کی ضامن بنکی تھی ۔

لیکن باوجود ان دشواریوں کے، ان ہمت شکن مشکلات کے، ان طاقت کے!
مصائب کے ہم دیکھتے ہین کہ وہ افراد شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی ومبلغ اور
اس تحریک کے داعی ومروج تھے جنھون نے وفاداری کا اقرار اور
جانبازی کا عہد کیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح حسینؑ بن علیؑ تک پہنچ گئے اور اپنی
جانیں اُنکے قدمون پر نثار کر دین

یاد کرو وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا
تو کون لوگ تھے اسوقت تقریر کر کے عہد نصرت فداکاری کرنے والے بیشک
وہ تین آدمی تھے عابس بن ابی شبیب شاکری۔ حبیب بن مظاہر
سعید بن عبداللہ حنفی ۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل ونائب اور رازداری کے ساتھ حسینؑ
کی بیعت لینے والا ؟ یقیناً وہ مسلم بن عوسجہ اسدی تھے ۔

کون تھا مسلم کے ادارۂ اسلحہ کا منتظم اور جمع اموال کا موتمن ومعتمد؟
بلاشبہہ وہ صرف ابوثمامہ صیداوی تھے ۔

پھر کیا یہ وہ لوگ نہین ہین جنھون نے ثبات قدم واستقلال کے ساتھ آخر
نفس تک حسینؑ کا ساتھ نہین چھوڑا اور آخر اُنکی لاشین حسینؑ کے قدمون پر

خاک وخون مین تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت مین زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے بریر بن خضیر حافظ قرآن مجید جنکو دیکھکر لشکر عمر سعد مین کہا گیا تھا ان ھذا بریر بن خضیر القاری الذی کان یقرأنا القرآن فی المسجد "یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد مین بیٹھکر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے" (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابی رسول جنکا تذکرہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ مین اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ مین کیا ہے، ابن اثیر کا قول ہے کہ۔

عدادہ فی الکوفیین وکان جاء الی الحسین ع عند نزولہ فی کربلاء والتقی معہ لیلا فیمن ادرکتہ السعادۃ

"انکا شمار اہل کوفہ مین ہے اور یہ امام حسینؑ کی خدمت مین پہونچے تھے اسوقت جب آپ کربلا مین اتر چکے تھے اور شب کے وقت حضرت کے پاس پہونچے ان لوگون کے ذیل مین جنکے بخت نے یاوری کی تھی۔

اور نافع بن ہلال جملی جو کوفہ کے قبیلۂ مذحج سے تھے اور حنظلہ بن اسعد شامی اور یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثار کندی اور مجمع بن عبد اللہ عائذی اور عائذ بن مجمع اور عمر بن خالد صیداوی اور جنادہ بن حارث

ہمدانی اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور موقع بن ثمامہ اسدی
صیداوی اور سیف بن حارث بن سریع ہمدانی اور مالک بن عبداللہ بن
سریع اور سوار بن منعم ہمدانی اور عمر بن قرظہ انصاری اور نعیم بن عجلان
انصاری اور عبداللہ بن بشر خثعمی اور حارث بن امرأالقیس کندی اور
بشر بن عمر کندی اور عبداللہ بن عروہ وعبدالرحمٰن بن عروہ غفاریین
اور عبداللہ بن عمیر کلبی اور سالم بن عمرو کلبی اور مسلم بن کثیر ازدی اور
رافع بن عبداللہ ازدی اور قاسم بن حبیب ازدی اور زہیر بن سلیم ازدی
اور نعمان بن عمرو وحلاس بن عمرو راسبیین اور مسعود بن حجاج تیمی اور بکر بن حی تیمی
اور جوین بن مالک تیمی اور عمر بن ضبیعہ تیمی اور حباب بن عامر تیمی اور
امیہ بن سعد طائی اور ضرغام بن مالک ثعلبی اور کنانہ بن عتیق ثعلبی اور
قاسط بن زہیر و کردوس بن زہیر و مقسط بن زہیر تغلبیین اور جبلہ
بن علی شیبانی وغیرہ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہد وفا کو پورا کرنے
کے لئے اپنے تئیں کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیا لیکن جو لوگ
شیعی جماعت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کے لئے نہ پہونچے یا نہ پہونچ سکے
اُن میں سے بھی کسی متنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کربلا میں موجود ہونا پایا نہیں
جاتا بلکہ تاریخی نصوص وشواہد متفقہ طور پر اُن کو قاتلان امام حسینؑ سے علیحدہ

بتلا رہے ہیں۔ امام محمد بن جریر طبری کا بیان ہے۔

لما قتل الحسین بن علی رجع ابن زیاد من معسکرہ بالنخیلة فدخل الکوفة تلاقت الشیعة بالتلاوم والتندم ورأت انہا قد اخطأت خطأ کبیرا بدعائہم الحسین الی النصرة وترکہم اجابتہم لم ینصروہ ورأوا ان لا یغسل عارہم والاثم عنہم فی مقتلہ الا بقتل من قتلہ او القتل فیہ

"جب حسینؑ بن علیؓ قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو نخیلہ میں قرار دیا گیا تھا واپس جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو شیعوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کر کے ایک دوسرے پر ملامت اور اپنی کمزوری پر ندامت کا اظہار شروع کیا اور وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسینؑ کو نصرت کے وعدہ پر دعوت دی پھر جب وہ آئے تو ہم اُنکی نصرت کو نہ گئے اور وہ ہمارے پڑوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ اُنکی مدد نہ کی اور اُنھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا۔ مگر اس طرح کہ ہم اُن لوگوں کو جو اُن کے قتل میں شریک ہوئے ہیں قتل کریں یا خود اس سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔ (طبری جلد ۷، صہ)

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت قاتلان

امام حسینؑ کی جماعت سے جداگانہ تھی اور پہلی جماعت پر جو الزام ہے وہ یہ کہ انھون نے مدد نہین کی اور دوسری جماعت وہ ہے جسکے قتل کردہ اپنے جرم کا کفارہ سمجھتے ہین۔

پھر سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا اور اس موقع پر مسیب بن نجبہ نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "ہم بہت اپنی صداقت پر ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعت شیعہ کی مدح و ثنا کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہمارا امتحان لیا اُسوقت معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہین۔ ہم نے حسینؑ کو دعوت دی، اُنکے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کرینگے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے اپنی جانون کو چھپایا یہان تک کہ وہ ہمارے پڑوس مین قتل ہو گئے، نہ ہم نے اپنے ہاتھون سے اُنکی نصرت کی اور نہ اپنی زبان سے اُنکی حمایت کی اور نہ اموال سے اونکو تقویت پہونچائی اور نہ اپنے اپنے قبیلہ کو اُنکی نصرت پر آمادہ کیا۔ اب خدا و رسول کو کیا جواب دینگے جبکہ ہمارے ملک مین فرزند رسولؐ قتل کر ڈالا گیا۔ بیشک ہمارا کوئی عذر سننے کے قابل نہین لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن لوگون نے اُن کے قتل مین شرکت کی ہے اُنھین قتل کرین یا اسی سلسلہ مین اپنی جانین نثار کر دین (ص۳۵)

یہ بھی صحیح طور پر اسکی دلیل ہے کہ قاتلان حسینؑ یا قتل حسینؑ مین شرکت

کرنے والی جماعت جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی

اس کے بعد جبکہ سلیمان بن صرد اس جماعت کے قائد اعظم کی حیثیت سے منتخب ہو گئے تو انھوں نے جو تقریر کی ہے اور جس کو وہ برابر ہر جمعہ میں دہرایا کرتے تھے اُس کا مختصر اقتباس یہ ہے کہ

انا کنا نمدّ اعناقنا الی قدوم آل نبینا ونمیهم النصر ونحثهم علی القدوم فلما قدموا ونینا وعجزنا وادهنّا وتربصنا وانتظرنا ما یکون حتی قتل فینا ولد نبینا ولد نبینا وسلالته وعصارته و بضعة من لحمه ودمه اذ یستصرخ ویسأل النصف فلا یعطاه اتخذه الفاسقون غرضا للنبل ودریة للرماح حتی اقصدوه۔

ہم لوگ گردنیں اُٹھا اُٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہلبیت رسولؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے اور اونکو نصرت کی امیدیں دلاتے تھے اور آنے پر آمادہ کرتے تھے لیکن جب وہ آئے تو ہم نے کمزوری کی اور عاجز رہے اور سستی کو کام میں لائے اور منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے یہانتک کہ ہمارے پاس میں اور ہمارے قریب ہی فرزند رسولؐ قتل کر ڈالے گئے جبکہ وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا، فاسقین کی جماعت نے اُن کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا سر مشق بنا لیا یہانتک

کہ انھیں شہید کر ڈالا (ص ۱۷۹)

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی مین رہ گئے تھے اور قتل حسینؑ مین شرکت کرنے والی جماعت فاسقین انسے جداگانہ ہے۔

پھر وہ موقع کہ جب یزید ہلاک ہوا اور سلیمان بن صرد کے پاس شیعی جماعت کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اسوقت حکومت کے ارکان مین تزلزل ہے یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہون اور انکے قاتلون کو چن چن کر قتل کرین اسوقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے۔

انی قد نظرت فیما تذکرون فرأیت ان قتلة الحسین هم اشراف اهل الکوفة وفرسان العرب وهم المطالبون بدمه ومتی علموا ما تریدون وعلموا انهم المطلوبون کانوا اشد علیکم ونظرت فیمن تبعنی معکم فعلمت انهم لو خرجوا لم یدرکوا ثارهم ولم یشفوا انفسهم ولم ینکوا فی عدوهم وکانوا لهم جزرا ولکن بثوا دعاتکم فی المصر الخ

"مین نے اس معاملہ مین غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسینؑ کوفہ کے سر برآوردہ اشخاص و شیوخ و اشراف قبائل ہین اور انھی کے اوپر حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور جب انھین تم لوگون کے ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اسکا اثر انپر پڑیگا تو وہ سختی سے تمھاری مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے اور مین نے اندازہ

گیا اُن لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی تعداد
میں ہیں کہ انکے خروج کرنے سے نہ تو انتقام لیا جا سکتا ہے اور نہ سعد حکام
اور نہ دشمن لوگوں نقصان پہونچ سکتا ہے بلکہ وہ لوگ بسہولت کی طرح کاٹ
ڈالدیئے جائیں گے لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف و اکناف
میں روانہ کر کے لوگوں کو اپنی موافقت پہ آمادہ کرو (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۱)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسینؑ کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف
قبائل تھے جنکی مذہبی حقیقت مختصر طور پر ہم سابق میں واضح کر دی اور
یہ کہ جماعت شیعہ کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا نیز اس شیعی جماعت کی جو کوفہ میں
موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتی تھی۔
پھر وہ تقریر جو عبید اللہ بن عبد اللہ مری کی زبان سے تاریخ میں درج ہوا ہے اس میں بھی
ہے کہ نصرتہ و خذلہ ولیہ فویل لقاتل وملامۃ لخاذلہ ان اللہ
لم یجعل لقاتلہ حجۃ ولا لخاذلہ معذرۃ الا ان یناصح اللہ فی التوبۃ
فیجاھد القاتلین وینابذ الفاسطین۔

فرزند رسولؐ کے لئے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دوستوں نے
انکی مدد نہ کی بس عذاب کے مستحق ہیں اُنکے قاتل اور سرزنش کے لائق ہیں
اُنکے چھوڑ دینے والے نہ اُنکے قاتل کے لئے خدا کے یہاں کوئی حجت ہو اور
نہ اُنکے بے مددگار چھوڑنے والوں کا کوئی عذر قابل سماعت ہو۔ مگر یہ کہ وہ

اب سچے دل سے توبہ کرکے اُنکے قاتلون سے جہاد کرین اور ظالمون سے جنگ کرین وہ وقت کہ جب یہ لوگ بعزم جہاد کوفہ سے کربلائے معلیٰ آگئے ہین اُس موقع پر مثنیٰ بن مخزبہ نے جو تقریر کی تھی اُس مین یہ فقرات قابل توجہ ہین۔

قد قتلهم قوم نحن لهم اعداء ومنهم برآء وقد خرجنا من الديار والاهلين والاموال ارادة استيصال من قتلهم

حسینؑ و انصار حسینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا جنکے ہم دشمن اور جنسے ہم بیزار ہین اور اب ہم اپنے اہل وعیال کو چھوڑکر اپنے گھر سے اس لئے نکلے ہین کہ اُنکے قاتلون کے رگ وریشہ کو فنا کر دین (ص ۲۷)

اِن تاریخی نصوص وشواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ جماعت شیعہ مین سے کوئی شخص بھی قتل امام حسینؑ کے لئے کربلا مین موجود نہ تھا۔

بیشک، ان پر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود معترف تھے وہ نصرت حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانین نثار کر دینے مین کوتاہی کرنا اگرچہ یہ جن اسباب وعلل اور مشکلات وموانع پر مبنی تھا اُنکو کافی توضیح کے ساتھ حوالۂ قلم کیا جا چکا ہے پھر بھی ہم اس کو جرم تسلیم کرنے پر تیار ہین لیکن اس جرم سے سنگین تر نہین کہ رسولؐ کو میدان جنگ مین دشمنون کے نرغہ مین تنہا چھوڑکر اپنی جان کی حفاظت کے لئے فرار کرین اور حضرت عثمان کو جو دارالخلافہ اور مرکز حکومت مدینہ منورہ کے اندر مصر سے آئی ہوئی فوجون کے حلقہ

اندر محصور چھوڑ کر تماشا دیکھتے رہیں اور اوکے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تک اُنکی لاش دفن کرنے کی بھی جرأت نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسولِ اکرم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے جنگ احد میں دس آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگ حنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ ٹھہرے تھے اور یوم الدار حضرت عثمان کی مدد کے لئے اُنکی اٹھنے والی جماعت میں سے بیس آدمی بھی جان نثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسول حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جماعت شیعہ میں سے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر کم از کم چون آدمی جانیں قربان کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اسکے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہے کہ جماعت شیعہ کو حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر اُن پر قتل حسینؑ کا غلط اور بے بنیاد الزام لگایا جائے۔ والسّلام

علی نقی النقوی عفی عنہ
محرم ۱۳۵۱ھ

لکھنؤ

ضمیمہ

قاتلانِ حسینؑ کی رشتہ داری کی کہانی

یا

قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہنے والوں کے دلائل

خیالات کا اختلاف اگر صداقت وحقیقت پر مبنی ہو تو اُنکا ایک نقطہ
اتحاد پر مجتمع ہوجانا کوئی دشوار نہیں، با اصول اور آئینی بحث و تحقیق اور
دل نشین ادلہ وبراہین کی مقناطیسی کشش یقیناً انصاف کی شرط کے ساتھ
مختلف آرار وافکار کو ایک صحیح مرکز پر لاسکتی ہے لیکن جب خیالات جذبات
کے ماتحت اور اقوال سخن پروری وتعصب نفسانی کے پابند ہوں تو اونکی
شکست کبھی شکست نہیں قرار پاتی، باطل شکن دلائل کی ہزار زدوں پر آنے
کے بعد اُنکی تیوریوں پر بل نہیں آتے گویا گردن تھی کہ جو جھڑ گئی - مرغ کی ایک
ٹانگ کے بجائے دو ٹانگیں ہو جائیں ناممکن ہے - اس قسم کے خیالات

کی پہچان یہ ہے۔

(۱) اکثر دلائل میں مصادرہ علی المطلوب کی جھلک نمایاں ہو یعنی الٹ پھیر کرکے خود دعوے کو دلیل میں پیش کردیا جاتا ہو۔

(۲) کہی ہوئی باتوں کو جنکا جواب ہو چکا ہے الفاظ کو ادل بدل کے پھر پیش کردیا جائے تاکہ گفتگو کا سلسلہ قطع نہو اور عوام کی نظروں میں انکی کم مائگی و تہیدستی کا مظاہرہ نہونے پائے۔

(۳) سلسلہ بحث میں خواہ مخواہ خارج از بحث باتوں کو چھیڑکر عام افراد کے دماغوں کو اُلجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اصلی نقطہ بحث کے متعلق صحیح رائے سہولت سے قائم نہ کرسکیں۔

(۴) علمی ومذہبی باتوں میں ذاتیات کا سوال درمیان میں لاکر اور مخاطب کی شخصیت پر حملہ کرکے محاذ جنگ کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔

(۵) عقل و منطق اور تاریخ وحدیث کے قطعی ادلہ سے کنارہ کشی کرکے خطابیات کے دامن میں پناہ لی جائے اور عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاکر ایسی سطحی باتیں پیش کردی جائیں جن پر جاہل عوام امنا وصدقنا کہدیں چاہے حقیقت شناس اور باخبر افراد اُن کو کتنا ہی سُبک اور غیر وقیع خیال کریں۔

قاتلان حسینؑ کو شیعہ بنانے کے جو دلائل ہمارے پیش نظر ہیں اُن میں ایسی ہی

عناصر کار فرما ہیں اور یہ خصوصیات اُن میں نمایاں طور پر نظر آرہے ہیں جس کا احساس باخبر افراد خود کر سکتے ہیں۔

ان دلائل کا مناظرانہ جواب تو قوم کے مناظرین کا حق ہے جس کو وہ خوب ادا کر رہے ہیں لیکن میں تو اپنے مسلک کا پابند رہتے ہوئے جو مناظرہ سے تعلق نہیں رکھتا ان دلائل پر ایک اجمالی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ دلائل ایک بحث کے محققانہ فیصلہ کے لئے کہاں تک کام آ ہو سکتے ہیں۔

پہلی دلیل نہج البلاغہ کے وہ اقتباسات جنمیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے ساتھیوں کی بیوفائی اور بدسلوکی کا اظہار فرمایا ہے اور اُنکی شکایت کی ہے، اُنکو نافرمان، بے وفا، بزدل، خائن، مفسد، حیلہ ساز، بدعہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت وغیرہ وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے پھر جب شیعوں کی یہ حالت ہو تو اُنسے قتل حسینؑ کیا مستبعد ہے جو لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ یہ برتاؤ کر سکتے ہیں وہ امام حسینؑ کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ اوس سے بڑھ کر کر سکتے ہیں ؎

اس استدلال کی منطقی کمزوری اور اساسی بے بنیادی سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اس غلط فہمی پر توجہ ہو کہ امیر المومنینؑ نے جن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے وہ شیعہ تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ شائع کیا جارہا ہے ہمارے رسالہ "قاتلان حسینؑ کا مذہب" کے دوسرے ایڈیشن کے بعد جس میں ایک مستقل باب "عام اہل کوفہ کا مذہب" کے عنوان سے درج کیا جا چکا ہے۔

اب رسالہ کا تیسرا ایڈیشن تمھارے سامنے ہے، اس میں نکال کر اس باب کا مطالعہ کرلو اور پھر خیال کرو کہ اس جواب کے بعد اس سوال کا دہرانا اپنی استدلالی بے مائگی کا ثبوت دینا نہیں تو کیا ہے؟ ہم اس میں ہم نے بہت سلجھے ہوئے الفاظ میں دو تنقیحیں قائم کر دی ہیں۔

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ سے رسولؐ کے بعد بحیثیت وصی برحق و خلیفہ بلافصل بیعت کی تھی یا پہلے دوسرے تیسرے دور کے بعد بحیثیت خلیفہ رابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھی بحیثیت خلیفہ رابع ہی کے آپ کی اطاعت کے فرض کو انجام دے رہے تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت امیرؑ کو چوتھے نمبر پر خلیفہ سمجھنے کا عقیدہ مذہب

اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے اب بتلاؤ کہ حضرت علیؑ کو اپنے صحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوسناک صورتیں پیش آئیں اُنکی ذمہ داری کس جماعت کی طرف عائد ہوتی ہے؟

خود نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی شکایتیں کی ہیں اور اُن سے طرح طرح کی بیزاری کا اظہار کیا ہے اُسی طرح اُنکے مذہب پر بھی روشنی ڈالدی ہے اور بتلا دیا ہے کہ وہ آپکی ہوا خواہی کا دم کس عقیدہ کی بنا پر بھرتے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر محشی بحاشیہ مفتی دیار مصر شیخ محمد ابن عبدہ ج ۲ ص ۲

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوہم علیہ فلم یکن للشاہد ان یختار ولا للغائب ان یرد و انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار۔

"میری بیعت کی انہی لوگوں نے جنھوں نے بیعت کی تھی ابوبکر و عمر و عثمان کی اُسی اصول کی بنیاد پر جس پر اُنکی بیعت کی تھی لہٰذا اُس اصول کے لحاظ سے موقع پر موجود رہنے والے کو دوبارہ نظرثانی کا حق نہ تھا اور نہ ایسے شخص کو جو موجود نہ تھا اُس فیصلہ کو مسترد کرنے کا حق پیدا ہو سکتا ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے"

اب تو امیر المومنینؑ کے ساتھ والوں کا مذہب بے نقاب ہو گیا اور معلوم

ہوا کہ وہ شکایتیں اور مذمتیں جو آپ نے اپنے اصحاب کی فرمائی ہیں شیعی افراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اسی سے۔

دوسری دلیل کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس کو بڑے شد و مد سے حضرت امام حسن کے ساتھ شیعوں کی بدسلوکی کی سرخی سے پیش کیا جاتا ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہو کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تو آپ کے ساتھیوں میں انتہائی اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں اور اُس بنا پر حضرت نے بھی اُنکی مخالف الفاظ میں شکایت کی ہو اور اُنکے مظالم کا تذکرہ کیا ہو پھر جن لوگوں نے حضرت امام حسنؑ کو ایسی ایذائیں دیں، اُنکے قتل کے لئے تیار ہوئے۔ اُن کو خنجر مارا اُنکو بستر پر سے گرا کر حضرت معاویہ کے حوالہ کر دینے کا ارادہ کیا اُنکا خیمہ لوٹا۔ اُنکی لونڈیوں کے زیور اتار لئے اُنسے امام حسینؑ کے قتل کو مستبعد کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہو؟

بیشک کچھ مستبعد نہیں ہو سکتا لیکن امام حسنؑ کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرنے والے کون تھے؟ وہ وہی تھے کہ جنھوں نے حضرت امیرؑ کے دل کو لہو کر دیا تھا اور جنکو حضرت نے نافرمان بیوفا حیلہ ساز بدعہد ناقابل اعتماد وغیرہ وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہو اور جنکے مذہب کو خود حضرت نے بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ کی لفظوں میں صاف صاف ظاہر فرما دیا ہے

حضرت امام حسنؑ کا بعض موقع پر یہ ارشاد کہ ھؤلاء یزعمون انھم لی شیعۃ (انہا دعویٰ می کنند کہ شیعہ من اند) "ان لوگون کا دعویٰ ہے کہ یہ لوگ میرے شیعہ ہین کسی طرح انکے تشیع کا مظہر نہین ہے۔

جب علامہ ابن حجر مکی ایسا فرقہ شیعہ کی مخالفت کا علمبردار بزرگ صواعق محرقہ مین تمام اُن احادیث کو جو شیعیان علی اور شیعیان اہلبیت کے متعلق وارد ہوئے ہین اپنی جماعت پر منطبق کرتا ہے یہ کہکر کہ شیعہ علی اور شیعہ اہل بیت حقیقۃ ہم ہین اور بس تو پھر اسی صورت سے اصحاب امام حسنؑ اپنے تئین اگر شیعۂ امام حسنؑ کہتے ہون تو کیا تعجب ہے۔

تیسری دلیل اصحاب ائمہ ہمیشہ ائمہ کو ایذا پہونچاتے رہے۔ زرارہ نے کتاب علی کو دیکھکر اُس کو باطل کہا۔ امام محمد باقرؑ کی نسبت جسارت آمیز الفاظ استعمال کیے، امام جعفر صادقؑ نے اُنکو جھوٹا کہا اور انپر لعنت کی اور اونھون نے امام جعفر صادقؑ کی نسبت نازیبا الفاظ کہے ابوبصیر نے امام جعفر صادقؑ پر طمع وحرص کا الزام لگایا، ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور خلیفہ عباسی کے پاس قتل کے لیے حاضر کیا، مامون رشید نے جو کہ شیعہ تھا صبیح دیلمی کو امام رضاؑ کے قتل پر مامور کیا اور اُس نے اس خدمت کو انجام دیا"

یہ ہے اجمالی فہرست اُن واقعات کی جنھین بڑے شد ومد کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے لیکن آخر اس کو قاتلان حسینؑ کے مذہب سے کیا تعلق ؟ یعنی زرارہ

نے امام محمد باقرؑ کو برا کہا پس قاتلان حسینؑ شیعہ تھے، ابوبصیر نے امام جعفر صادقؑ کی نسبت سوءِ ادب سے کام لیا تو قاتلان حسینؑ شیعہ ثابت ہوئے، ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور عباسی کے پاس حاضر کیا تو قاتلان حسینؑ کا شیعہ ہونا ثابت، مامون الرشید نے جس کا شیعہ ہونا بھی کسی مستند دلیل سے نہیں ثابت امام رضاؑ کو شہید کیا لہذا قاتلان حسینؑ شیعہ تھے !!!

اس قسم کی باتوں کا چھیڑنا اور ان سے بیشتر کتاب کے اوراق کو پُر کرنا صرف اس لئے ہوسکتا ہے کہ عام افراد کا دماغ ان الجھاؤ میں پھنسکر اصلی نقطۂ بحث سے علیحدہ ہوجائے اور اُس پر صحیح رائے قائم نہ کرسکے

میں اگر ان باتوں میں سے ہر ایک کا مناظرانہ جواب دینے بیٹھ جاؤں اور اُس پر تاریخ و رجال کی روشنی میں تبصرہ کروں تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ میں نے فریق مقابل کو اُسکے مقصد میں کامیاب ہوجانے دیا یعنی حقیقتاً خارجی مباحث میں پڑکر نقطۂ بحث کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور اصل مسئلہ مبہم کا مبہم رہ گیا اس لئے میں اسکے فیصلہ کن تبصرہ کو اپنی قوم کے مناظرین کے سپرد کرکے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ان روایات سے زیر بحث مسئلہ پر آخر کیا اثر پڑتا ہے؟ اصحاب ائمہ علیہم السلام کے لئے صرف صحابی ہونے کے اعتبار سے فرقۂ شیعہ نے کوئی منزلت عطا نہیں کی ہے نہ اُنکے متعلق اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ایسی کوئی حدیث وضع کی ہے بلکہ وہ اصحاب ائمہ کی ذات کو مثل دیگر

رواۃ کے علم رجال کے قوانین وضوابط کے مطابق جرح وتعدیل کا پابند سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

علمائے شیعہ گو جو زرارہ، ابوبصیر وغیرہ کو مقبول الروایۃ سمجھتے ہیں تو وہ انکی متعلق وارد شدہ روایات وحالات کی جانچ پڑتال اور محولہ بالا روایات کے کسی حیثیت سے ناقابل اعتبار ثابت ہوجانے کے بعد ہے۔ اور جس صورت میں کہ یہ روایات صحیح مان لیے جائیں تو نہ زرارہ وابوبصیر کا کوئی وزن ہے اور نہ انکے روایات کا کوئی اعتبار بلکہ علمائے شیعہ کے نقطۂ نظر سے وہ مجروح اور ساقط الاعتبار قرار پا جائینگے۔

چوتھی دلیل "قاتلان حسینؑ کے شیعہ ہونے کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ وہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور کوفی ہونا خود دلیل تشیع ہے چنانچہ علامہ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج بدلیل است"

اسکے جواب کے لئے جو پیشگی شائع ہوچکا تھا ملاحظہ ہو ہمارے اسی رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں ص۴۹ پر باب "عام اہل کوفہ کا مذہب" جس میں انھی دونوں تنقیحوں کی بناء پر جو اصحاب امیر المومنینؑ کے تحقیق مذہب میں اسکے قبل ذکر ہوچکی ہیں یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ عام اہل کوفہ کو مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا جیسے

بعد ہم نے لکھا تھا کہ

"اب کہئے دو قاضی نور اللہ شوستری کو کہ "تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج بدلیل ست" یہ انکا ذاتی خیال ہے جسکے وہ خود ذمہ دار ہین اور پھر وہ اہل کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اسکے خلاف پہلو کو محتاج دلیل تبلاتے ہین اور ہم نے قاتلان حسینؑ کے مذہب پر کافی ادلہ قائم کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ انکو شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اسکے بعد اصل کی آڑ پکڑنا بالکل بے اصل ہے"

اب فرمایئے اقا قاتلان حسینؑ کے مذہب پر ہمارے ادلہ کا جواب دیئے بغیر ہمارے قائم کردہ دونون نتیجون کو غلط ثابت کئے بغیر ہمارے مذکورۂ بالا استدلال کو کسی حیثیت سے توڑے بغیر پھر قاضی نور اللہ شوستری ہی کی عبارت کو پیش کردینا کہان تک حق بجانب ہے ؟

پانچوین دلیل کہ قاتلان حسینؑ نے جو خطوط امام حسینؑ کے نام بھیجے اور انکو بلایا اور امام ممدوح انہی خطوط کی وجہ سے کربلا مین آئے اُن خطوط مین خود انھون نے اپنے کو شیعہ لکھا " اسکے ثبوت مین جلاء العیون علامہ مجلسیؒ کی عبارت درج کی گئی ہے جس کا مضمون بالکل وہی ہے کہ جس کو ہم خود تاریخ طبری کے حوالہ سے حوالۂ قلم کرچکے ہین اور اُسی سے ہم نے صورت حالات کو دیکھتے ہوئے کافی بسط و تشریح کے ساتھ حسب ذیل نتائج اخذ کئے تھے ۔

(۱) امام حسینؑ کو کوفہ کی جانب دعوت دینے کے بانی اور اس تجویز کے محرک یقیناً وہ افراد تھے کہ جو شیعہ کہے جا سکتے ہیں لیکن اونکی تعداد کوفہ میں بہت قلیل تھی بیشک اونکی تحریک کا حالات کی دستیابی کی بناء پر عام خلقت کی طرف سے بھی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا لیکن وہ کسی عقیدہ کامل اور صحیح فکر و تدبر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایسے اسباب کا جو اتفاقی کہے جا سکتے ہیں اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں

(۲) اُن افراد کی کوششوں کا جو شیعہ تھے رائے عام کے ہموار ہوجانے کا نتیجہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کے پاس خطوط اور عرضداشتوں کی کثرت ہو گئی یہاں تک کہ وہ عرضداشتیں طیار ہو گئیں جو ایک دو یا تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں اُنکے اصلی بھیجنے والے اگرچہ شیعہ تھے لیکن جن لوگوں کے دستخط تھے اُن سب کا شیعہ ہونا قابل تصدیق نہیں ہے۔

(۳) ان تمام کارروائیوں کے بعد جو اجتماعی حیثیت سے ہوئیں اور جو افراد شیعہ کی جدوجہد کا نتیجہ تھیں ایک خط کوفہ سے امام حسینؑ کے نام بدیں الفاظ لکھا گیا ہے کہ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب لبریز ہیں پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کے لیے آراستہ موجود ہے۔

اس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر۔ یزید بن حارث۔ یزید بن رویم۔ عزرہ بن قیس۔ عمرو بن الحجاج زبیدی۔ محمد بن عمیر تمیمی۔

(۴) وہ ابتدائی خطوط جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے تھے لیکن اس آخری خط کے لکھنے والوں نے اپنے تئیں شیعہ نہیں لکھا تھا اور کسی عقیدۂ شیعہ کا مظہر کیا تھا بلکہ ہم نے اس کے مضمون کا سابقہ خطوط کے مضامین سے موازنہ کرکے ثابت کر دیا تھا کہ اس خط کا کوئی تعلق اس جماعت سے معلوم نہیں ہوتا جو امام حسین کی دعوت بیعت کی بانی تھی بلکہ یہ خط ایک منظم سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے (۵) ان خطوط کے بھیجنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کربلا میں امام حسین کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی بلکہ ان میں سے اکثر نے اپنے عہد وفا پر عمل کیا اور اپنی جان فرزند رسول پر نثار کی۔ برخلاف اسکے آخری خط جو سات آدمیوں کے دستخطی تھے ان میں سے پانچ کا مسلماً واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام حسین میں شریک ہونا ثابت ہے اور بقیہ دو کا بھی ایسے سازشیوں کی صحبت میں ہونا دور از قیاس نہیں ہے۔

اب اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا نتائج کو غلط ثابت کئے بغیر ہمارے مقابلہ میں ایک ایسی عبارت کو پیش کر دینا جس کے مضمون سے ہم نے یہ نتائج اخذ کئے ہیں دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ خیال کہ جن لوگوں نے اپنے تئیں شیعہ لکھا تھا یا جنھوں نے خطوط روانہ کئے تھے وہ سب شیعہ ہی تھے اسلئے کہ اگر شیعہ نہ ہوتے تو امام انکے قول پر اعتماد نہ کرتے اور دھوکا نہ کھا جاتے اس لئے کہ ہر امام کو خدا کی طرف سے ایک رجسٹر ملتا ہے جس میں انکے شیعوں کے نام مع ولدیت لکھے ہوتے ہیں۔

صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام بلکہ پیغمبر کے افعال و اعمال کی بھی بنیاد علم باطن پر نہیں بلکہ علم ظاہر پر ہوتی ہے اور انکے فرائض و احکام بھی اسباب ظاہر یہ کے پابند ہوتے ہیں لہذا صورت حال کی بنا پر خطوط کے مندرجہ بیانات کو صحیح سمجھنا اور اُس کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ لیکن وہ اونکی حقیقی صداقت وحقانیت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اسی سے۔

چھٹی دلیل کا وزن بھی معلوم ہوتا ہو کہ" امام حسینؑ نے خود بھی ان خط لکھنے والوں کو شیعہ فرمایا" اور اس کے ثبوت میں علامہ مجلسی کا یہ فقرہ درج کیا ہے کہ حضرت نے اپنے اصحاب سے مسلم وہانی کے قتل کی خبر سناتے ہوئے فرمایا "شیعیان ما دست از یاری ما برداشتند" (ہمارے شیعوں نے ہاتھ ہماری مدد سے اُٹھا لیا)

چونکہ خطوط جو آئے وہ جماعت شیعہ کے نام سے تھے اور چاہے خط لکھنے والوں میں اکثر افراد تشیع سے واسطہ نہ رکھتے ہوں لیکن افراد شیعہ کی تحریکیں وہ بھی اُس وقت حضرت امام حسینؑ کی شیعیت یعنی تابع فرمان ہونے کے دعویدار تھے لیکن حضرت مسلم کے ورود کے بعد اُن حالات کی بنا پر جنکو تشریح کے ساتھ رسالہ میں بیان کیا جا چکا ہے اُنھوں نے مسلم کی مدد نہ کی یہاں تک کہ مسلم شہید ہوگئے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "شیعیان ما دست از نصرت ما برداشتند" لیکن اس سے تمام خط لکھنے والوں کے مذہب پر روشنی نہیں پڑتی۔

پھر اب اگر ان خط لکھنے والوں میں کچھ لوگ واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں موجود بھی ہوں تو اس سے کیا نتیجہ جبکہ اس خط کے متعلق جو ساٹھ آدمیوں کے نام سے گیا تھا۔ ہم نے خود اپنے رسالہ میں اظہار کیا ہے کہ اُن میں سے پانچ آدمی یقیناً واقعہ کربلا میں موجود تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو اُس لشکر کے سرداروں میں سے بھی تھے لیکن ان لوگوں کی جماعت شیعہ سے بے تعلقی پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

پھر اسی بات کو جو خود ہم نے لکھی تھی ہمارے مقابلہ میں جلاء العیون علامہ مجلسیؒ سے پیش کرنا کہ وہ لکھتے ہیں کہ

"پس (عمر بن سعد) عروہ بن قیس احمسی را طلبید و خواست کہ برسالت بخدمت حضرت بفرستد چون آن نامرد از انہا بود کہ نامہ بحضرت نوشتہ بودند قبول رسالت نہ کردید ہر یک از رؤساء لشکر کہ میگفت باین علت ابا می کردند زیرا کہ اکثر از انہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ حضرت را بعراق طلبیدہ بودند" کہاں تک کامیابی کی نشانی قرار پا سکتا ہے؟

بے شک کوفہ کی رائے عام افراد شیعہ کی جدوجہد سے امام حسین علیہ السلام کے لئے ہموار ہو چکی تھی اور وہ تمام لوگ یزید کی خلافت سے بیزار اور حضرت کی تشریف آوری عراق کے آرزومند تھے اور متفقہ حیثیت سے حضرت کو دعوت دینے میں شریک تھے اور انہیں سے کثیر تعداد نے حضرت مسلم کے توسط سے آپ کی

بعیت بھی کی تھی لیکن بعد میں حالات کے انقلاب نے اُنکے عزائم و نیات میں بھی انقلاب پیدا کردیا اور وہی تلواریں جو حسینؑ کی نصرت کے لئے تیز کی گئی تھیں حسینؑ سے جنگ میں صرف ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری افراد شیعہ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے رسالہ کے تاریخی بیانات کے مطالعہ پر موقوف ہے۔

پھر اگر اہل کوفہ کے اس انقلاب حالت کا حوالہ دیتے ہوئے امام حسینؑ نے احتجاج طبرسی کے بیان کے مطابق عام اہل کوفہ کو مخاطب کرکے یہ فرمایا:

"تم نے ہم کو بیقرار ہو کر پکارا اور ہم تمھاری پکار پر تیزی کے ساتھ آگئے تو تم نے ہم پر تلوار کھینچ لی۔"

تو اس سے جماعت شیعہ کا کیا قصور ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے تو اپنا سا کام کر لیا تھا لیکن ہنگامی انقلابات کو وہ کیا کرسکتے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنے عہد وفا پر عمل بھی کیا اور اُن میں سے اکثر افراد نے اپنی جانیں حسینؑ پر نثار بھی کیں جنکا تذکرہ سابق میں ہوچکا

امام حسینؑ کی تشریف آوری کے متعلق اہل کوفہ کی تمام آرزو و خواہش اور دعوت پر نظر کرتے ہوئے امام زین العابدینؑ کا یہ فرمانا بالکل حق بجانب تھا کہ

هل تعلمون انكم كتبتم الى ابى وخدعتموه الخ	تم نے میرے والد بزرگوار کو خط لکھا اور اُنکو فریب دیا۔ لیکن عام اہل کوفہ

شیعہ کب تھے؟ اور اسی طرح حضرت کا اہل کوفہ کو روتے دیکھ کر یہ فرمانا کہ ان
"هؤلاء يبكون فمن قتلنا غيرهم" یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر انکے سوا ہمکو
قتل کس نے کیا؟

مگر اس سے انکے تشیع پر زد ہی کونسی پڑتی ہے؟ کس نے کہدیا کہ امام حسینؑ
کی مظلومیت سے متاثر ہو کر رونا تشیع کی کافی ضمانت ہے؟

مخالف کی عجیب و غریب تحریف

مجالس المومنین کی عبارت سے بیجا استدلال

شیعیان کوفہ کو قاتل امام حسینؑ ثابت کرنیکی ناکام کوشش

قاتلان حسینؑ کو شیعہ ثابت کرنے کے سلسلہ میں بڑے شد و مد سے جو چیز
پیش کی جاتی ہے وہ مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری کی عبارت
ہے لیکن ہم نے جو اصل کتاب کو نکال کر عبارت کا مقابلہ کیا تو نقل شدہ عبارت میں
ایسی کاٹ چھانٹ تراش خراش نظر آئی جو کسی طرح دیانت و امانت کے اصول
پر جائز نہیں ہو سکتی، اپنے مطلب کے حصول کے لئے اس قسم کی تحریف کرنا فن تصنیف

وتالیف اور مباحثہ ومناظرہ پر بدنما داغ لگاتا ہے۔

اب ہم کچھ منقول شدہ عبارت اور اسکے تناسب سے اصل عبارت درج کرکے اسکے تحریفات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

منقول شدہ عبارت جس کو پیش کیا جاتا ہے

"سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است وسبب خروج او بر بنی امیہ آن بود کہ چون طائفہ کوفیان با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام حسین رسانیدند سلیمان بعد از چندماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدندان گرفتہ بر خود نفرین می کرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد از انکہ امام حسینؑ را طالب داشتیم تیغ بر روئے او کشیدیم تا از بیوفائی مارسید آنچہ رسید ورؤسائے این جماعۃ پنج نفر بودند سلیمان بن صرد خزاعی ومسیب بن نجبہ وعبداللہ بن سعد وعبداللہ بن وال ورفاعہ ابن شداد واین پنج کس از معارف اصحاب امیرالمومنین بودند چون عزیمت ایشان طلب خون امام حسینؑ تصمیم یافت جمع کثیر در سرائے سلیمان بن صرد خزاعی جمع آمدند ومسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر سعد بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ الخ

اصل عبارت جو مجالس المومنین کی مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے

سلیمان بن صرد کا نام لکھنے کے بعد استیعاب ابن عبدالبر کے حوالہ سے انکی مختصر

حالات درج کیے ہین پھر لکھا ہے۔

"صاحب روضۃ الصفا آوردہ کہ منشا خروج بر بنی امیہ آن بود کہ طائفہ کہ از کوفیان با مسلم بن عقیلؓ عہد و بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت ننمودند تا با اہل بیت و اصحاب خود بدرجۂ شہادت رسید بعد از چند گاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بدندان گرفتہ بر خود نفرین کردند کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ما شد کہ بعد از آنکہ امیر المومنین حسینؓ را طلب داشتیم تیغ در روے او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید بوے آنچہ رسید و روسائے این جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن صرد الخزاعی و مسیب بن نجبۃ الفزاری و عبداللہ بن سعد الازدی و عبداللہ بن وال التیمی و رفاعہ بن شداد و این پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنین علیؑ بودند و چون عزیمت ایشان بطلب خون امام حسینؑ تصمیم یافت جمعے کثیر در سرائے سلیمان بن صرد جمع آمدند و مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر گس بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ الخ

اب ملاحظہ ہو کہ اس مختصر سی عبارت مین کتنے تصرفات جائز سمجھے گئے ہین

"سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بنی امیہ آن بود"

اس عبارت کو ایک ڈال اور مسلسل طور پر نقل سے غرض یہ ہے کہ آخر تک تمام عبارت قاضی نور اللہ شوستری کی سمجھی جاسکے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ ست کے بعد کچھ حالات لکھکر" صاحب روضۃ الصفا آوردہ

کی نقلیں موجود تھیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی عبارت صاحب روضۃ الصفا کی ہے جو علمائے اہلسنت میں سے ہیں اور شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ پھر اسکے بعد یہ الفاظ تھے کہ "طائفہ از کوفیان با مسلم بن عقیل عہد بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت نمودند تا با اہل بیت و اصحاب خود بدرجہ شہادت رسید"

"اہل کوفہ میں سے وہ جماعت کہ جس نے مسلم بن عقیل کے ساتھ عہد و بیعت کی تھی اور پھر عہد شکنی کر کے امام حسینؑ کی نصرت نہ کی یہانتک کہ حضرت اپنے اہل بیت و اصحاب کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے"

اس سے ظاہر ہے کہ اس جماعت اہل کوفہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ انھوں نے امام حسینؑ کی مدد نہ کی یہان تک کہ حضرت شہید ہو گئے۔ بس لیکن اس عبارت کو نقل جو کیا جاتا ہے تو وہ یوں کہ۔

"چون طائفہ کوفیان با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بشہادت امام حسینؑ رسانیدند"

"جب اہل کوفہ کی جماعت نے مسلم کے ساتھ بیعت کر کے عہد شکنی کی اور امام حسینؑ کی شہادت تک نوبت پہونچائی"

اس میں ایک تو طائفہ از کوفیان کے بجائے "طائفہ کوفیان" کہکر ذمہ داری کو تمام اہل کوفہ کی جانب عائد کر دیا گیا ہے پھر "نصرت نمودند تا

بدرجۂ شہادت رسید کے بجائے

"زیت الشہادت امام حسین رسانید" کر کے حضرت سید الشہدا کے قتل کو تمامتر انہی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس سے انہی کا قاتل امام ہونا ثابت ہو۔

پھر اسکے بعد اصل عبارت یون ہے کہ

"بعد از چند گاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بدندان گرفتہ بر خود نفرین کردند الخ" یعنی وہی جماعت کچھ عرصہ کے بعد متنبہ ہو کر انگشت بدندان ہوئی اور اُس نے اپنے اوپر لعنت ملامت کی"

لیکن نقل کرنے مین یون کر دیا گیا کہ

"سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بدندان گرفتہ بر خود نفرین می کرد"

یہ اس لئے کہ صاف طور پر سلیمان بن صرد خزاعی اُس ذمہ داری مین شریک ہو جائین اور اس سے علیحدہ نہ رہین"

کیا حقیقت کی تلاش کے لئے ایسی ہی ملمع کاریون کی ضرورت ہوتی ہے اور تحقیق کے معنی یہی ہین کہ اتنی حقیقت پوشی سے کام لیا جائے۔

اسی سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ مقصد کتنا کمزور ہے جو بغیر ان کارروائیوں کے پایۂ ثبوت تک پہونچایا ہی نہین جا سکتا۔

یہ تھی حقیقت اس دعوے کی کہ "قاتلان حسین کے شیعہ کہنے کی بنیاد کتب شیعہ پر ہے"۔

معلوم ہو گیا کہ نہ کتب اہل سنت ہی قاتلان حسین ع کو شیعہ بتلانے میں ہم آواز ہیں اور نہ کتب شیعہ ہی اس میں ہمساز۔ انکو شیعہ ثابت کرنے کی سعی ناکام ہے اور ہمیشہ ناکام رہے گی چاہے اس میں کتنی ہی کوشش صرف کیجائے

والحجۃ البالغۃ عند ربک والسلام۔

علی نقی النقوی عفی عنہ

۱۴ ر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
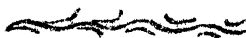
حجج و بیّنات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلامی میں ظاہر ہوئی ہے سالہا سال
عراق میں مشاہد مشرفہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز ظاہر ہوتے
رہتے معجزات ظاہر ہوئے ان کے مستند تفصیلی واقعات ذاتی تحقیقات اور
مستند ذرائع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کرکے ایک جا شائع
کئے گئے ہیں جو ارباب ایمان کیلئے بصیرت افروز اور تمام مذاہب اقوام کے
مقابل میں صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء
مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجہ قلم اور انہی کی ذاتی
تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے جو کتاب کی ادبی سلاست اور استنادی اعتبار
حیثیت کے لئے بہترین ضمانت ہے ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلیٰ کاغذ
طباعت کے ساتھ تیار ہے اور اس میں متعدد شفا یافتہ افراد کے فوٹو بھی
شامل ہیں جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اس کے اعتبار و استنادی اضافہ
کا باعث ہوئے ہیں قیمت علاوہ محصول ڈاک (عہ/)

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن لکھنؤ کے تبلیغی کارنامے

		قیمت	خرچ ڈاک
(۱)	قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا ایڈیشن)	۲ر	۱ر
(۲)	تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا ایڈیشن)	۶ر	؍
(۳)	مولود کعبہ	۱ر	؍
(۴)	وجود حجت	۴ر	۱ر
(۵)	اصول دین اور قرآن	۴ر	؍
(۶)	اتحاد فریقین	۴ر	۱ر
(۷)	حسینؑ اور اسلام	۱ر	۱ر
(۸)	" " " (انگریزی)	۳ر	۱ر
	" " (ہندی)	۳ر	۱ر

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ